عیدین میں گلے ملنا کیسا؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

عید میں گلے مِلنا کیسا؟

(عیدین میں گلے ملنے کو بدعت کہنوالوں کے جواب میں مسکت رسالہ)

الحمدلله الذي عيد رحمته وسع كل قريب وبعيد، وجعل أعياد المؤمنين معانقةبصفر الوعد وعفو الوعيد،وأفضل الصلاة وأكمل السلام على من تعانق عيد جماله بعيد نواله،فوجهه عيد،ويده عيد،يسعد بهما كل سعيد،وعلى حزبى الأل و الأصحاب الذين هما العيدان الأيام الإيمان،وعلى كل من عانق جيده وشاح الشهادتين بجمان الإيقان ما تعانق الملوان،وتوارد العيدان،هنأ هم الله بأعياد الإسلام ،وعيد الرؤية في دارالسّلام،ولديه مزيد،و إنه يبدئ ويعيد.

(سب خوبیاں اس اللہ کو،جس کی رحمت کی عید ہر دوروزنزدیک کوگھیرے ہوئے ہے،جس نے مومنوں کی عیدوں کو وعدہ کی صفائی اورسزا کی معافی سے بغلگیر کیا۔بہتر درود اور کامل ترین سلام ہو،ان پر جن کے جمال کی عید،ان کی سخاوت کی عید سے گلے ملے ہوئے ہے،جن کا چہرۂ انور بھی عید اور (عطا کرنے والا) ہاتھ بھی عید ہے کہ ہر خوش نصیب،ان دونوں سے سعادت حاصل کرتا ہے،(درودوسلام) ان (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی آل اور اصحاب دونوں پر،جو ایمان کے دنوں کی دوعیدیں ہیں اور ہر اس شخص پر جس کی گردن کامل یقین سے آراستہ،دوگواہیوں (اللہ کے معبود ہونے اور محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے اس کے بندے اور رسول ہونے) کے ہار سے ہمکنار ہے۔یہ (درودوسلام،اس وقت تک) ہوں جب تک دن و رات آپس میں گلے ملے ہوئے ہیں اور دونوں عیدیں،ایک کے بعد دوسری آتی رہیں۔ اللہ،ان (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و رضوان اللہ تعالی علیہ اجمعین) کو اسلام کی عیدوں اور جنت میں دیدار کی عید سے نوازے بلکہ اس سے اور زیادہ۔بے شک وہ (اللہ) پہلے کرے اور بعد کرے)۔

أما بعد ! چند سال ہوئے کہ روزِ عیدالفطر بعض تلامذۂ مولوی گنگوہی (مولوی رشید احمد گنگوہی (دیوبندی) کے بعض شاگردوں) نے بعض اہل سنت پر دربارۂ معانقہ طعن وانکار کیا (گلے ملنے کے معاملہ میں طنز اور مخالفت کی۔) کہ:

''شرع میں معانقہ صرف قادمِ سفر (سفر سے آنے والے) کے لیے وارد ہوا،بے سفر بدعت وناروا (خلافِ سنّت اور ناجائز ہے)۔میں نے اپنے اساتذہ سے یوں ہی سنا''۔

ان سُنّیوں نے اس باب میں فقیر،حقیر،عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی،سُنّی،حنفی،قادری،برکاتی،بریلوی غفرلہٗ وحقق املہٗ (اللہ تعالی اس (احمد رضا) کی مغفرت فرمائے اور اس کی امید کو،پورا کرنے کے لائق کرے۔) سے سوال کیا،فقیر نے ایک مختصر فتویٰ لکھ دیا کہ احادیث میں معانقۂ سفر و بے سفر دونوں کا اثبات اور تخصیصِ سفر تراشیدۂ حضرات (گلے ملنے کو،سفر سے آنے کے ساتھ خاص کرنا،ان (نہ ماننے والے) حضرات کی اپنی طرف سے گھڑی ہوئی بات ہے۔)۔بحمداللہ اس تحریر کا یہ نفع ہوا کہ ان صاحب نے اپنے دعوٰی سے انکار کردیا کہ: ''نہ میں اس تخصیص کا مدعی تھا،نہ اپنے اساتذہ سے نقل کیا''۔

خیر،یہ بھی ایک طریقۂ توبہ ورجوع ہے اور الزامِ کذب بھی زائل ومدفوع ہے کہ جب اپنے معبود کا کذب ممکن جانیں،کیا عجب کہ اپنے واسطے فرض و واجب مانیں (جھوٹ کا الزام بھی ختم اور دور ہوا کہ جب اپنے معبود (معاذ اللہ) کا جھوٹ بولنا یہ ممکن جانیں تو کیا عجب کہ اپنے لیے جھوٹ کو فرض اور واجب مانیں۔(اللہ کی پناہ)

نوٹ: ان بدمذہبوں کی اسی طرح کی دیگر خرافات،ان کی کتب کے حوالہ جات کے ساتھ جاننے کے لیے ''المدینۃ العلمیۃ'' سے شائع کردہ رسالہ ''حق وباطل کا فرق'' کا مطالعہ کریں)۔

اب اس عیدِ اضحیٰ ۱۳۱۱ھ میں بعض علمائے شہر کے ایک شاگرد،بعض اہل سنت سے پھر الجھے،انھوں نے پھر وہی فتوائے فقیر پیش کیا۔خیالات کے

پکّے تھے ہرگز نہ سلجھے، انھوں نے ان کے استاذ کو فتوٰی دکھایا، تصدیق نہ فرمائیں تو جواب چاہا، مدت تک انکار، پھر بعد اصرار وعدہ واقرار (کافی عرصہ تک جواب دینے سے انکار، لیکن پھر اصرار کرنے پر، جواب دینے کا وعدہ کیا اور مانے)، بالآخر "مجموعۂ فتاوٰی مولوی عبدالحی صاحب" صفحہ ۵۳۹، جلد اول پر نشانی رکھ کر ارسال فرمایا اور بعض عباراتِ ردالمحتار و مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف سے حاشیہ چڑھایا۔ سائل مُصر ہوئے (سوال کرنے والے صاحب، اصرار کرتے رہے) کہ "جواب ضرور ہے، آخر تحقیقِ حق نا منظور ہے" فقیر نے چند ورق لکھ کر بھیج دیئے اور رسالہ میں فتوٰی سابقہ کے ساتھ جمع کئے کہ ناظر دیکھیں، نفع پائیں، فقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں **وبالله التوفيق وهداية الطريق** (جبکہ ہدایت کی راہ کی طرف توفیق، اللہ ہی کی طرف سے ہے۔)

اس رسالہ کا بلحاظِ فتوٰی سابق و تحریر لاحق دو عید پر انقسام (پہلے فتوٰی، اور اس کے ساتھ ملی ہوئی تحریر کے لحاظ سے، دو عیدوں کے اعتبار سے تقسیم ہے)، اور بنظرِ تاریخ کہ بستم محرم ۱۳۱۲ھ کو لکھا گیا" وشاح الجيد في تحليل معانقة العيد "(یاد رہے کہ لفظ "معانقۃ" کی "ۃ" حروف ابجد کے قواعد کے مطابق "ۃ" مانی گئی ہے، جس کی وجہ سے اس کا عدد چار سو (۴۰۰) نہیں بلکہ پانچ (۵) ہوگا۔ لہٰذا اس پورے نام کا عدد سترہ سو سات (۱۷۰۷) == نہیں بلکہ تیرہ سو بارہ (۱۳۱۲) بنے گا جیسا کہ اعلٰیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

(نام) والحمدلله ولي الإنعام (اور سب خوبیاں اللہ کو جو احسان کا مالک ہے)۔

عید اوّل میں فتوٰی اوّل

مسئلہ ۱۴۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معانقہ بے حالتِ سفر بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ جو اسے قدومِ مسافر (مسافر کے سفر سے واپس آنے) کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے، قول اس کا شرعًا کیسا ہے؟

الجواب

کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطورِ برّ و کرامت (بھلائی اور تعظیم کے اعتبار سے) و اظہارِ محبت، بے فسادِ نیت و موادِ شہوت، بالاجماع (نیت کی خرابی اور شہوات کے اسباب کے بغیر، متفقہ طور پر) جائز، جس کے جواز پر احادیثِ کثیرہ و روایاتِ شہیرہ ناطق (مشہور روایات، منکر کو خاموش کرنے کے لیے کافی)، اور تخصیصِ سفر کا دعوٰی محض بے دلیل، احادیث نبویہ و تصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد (مطلق طور پر ذکر کی گئی ہیں)، اور قاعدۂ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرکِ شرعی تقیید و تخصیص مردود و باطل (بغیر کسی شرعی سمجھ بوجھ رکھنے والے کی قید لگانے اور خاص کرنے کے مردود اور غلط)، ورنہ نصوصِ شرعیہ (۲۱ الف۔ شرعی دلائل) سے امان اٹھ جائے، **كما لا يخفٰى** (۲۱ب۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں) **ابن أبي الدنيا "كتاب الإخوان" اور ديلمي " مسند الفردوس" اور أبو جعفر عقيلي، حضرت تميم داري رضي الله تعالى عنه سے راوی واللفظ للعقيلي:**

أنه قال: سألت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم عن المعانقة فقال: " تحية الأمم وصالح وُدِّهم و إنّ أول من عانق خليل الله إبراهيم (الضعفاء الكبير، ترجمه نمبر ۱۱۴۱، عمر بن حفص بن محبّر، ج۳، ص ۱۵۵، دارلكتب العلميه، بيروت).

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا، فرمایا: "تحیت ہے امتوں کی، اور ان کی اچھی دوستی اور بے شک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ ہیں"، على نبينا وعليه الصلاة والسلام۔

"خانیہ" میں ہے: **إن كانت المعانقة من فوقِ قميص أو جبة جاز عند الكل** (اگر معانقہ، کرتے یا جبے کے اوپر سے ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ **ملخصاً (فتاوٰى قاضي خان، كتاب الحظر و الإباحة، باب فيمايكره من النظر و اللمس، ج۴، ص ۳۶۸، مكتبه حقانيه پشاور) اه ملخصا.**

"مجمع الأنهر" میں ہے:

إذا کان علیهما قمیصٌ أو جبةٌ، جاز بالإجماع (اگر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کُرتا یا جبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے۔ ملخصاً۔

(مجمع الانہر، کتاب الکراھۃ، فصل فی النظر، ج٤، ص ٢٠٤، المکتبۃ الغفاریہ، کانسی روڈ، کوئٹہ) اھ ملخصاً۔

ھدایہ میں ھے:

قالوا: الخلاف في المعانقة في إزار واحد و إما إذا کان علیه قمیص أو جبة فلا باس بهما بالإجماع وهو الصحیح (طرفین (امام اعظم وامام محمد) اور امام ابو یوسف میں اختلاف ایک تہبند کے اندر، گلے ملنے کے بارے میں ہے۔ لیکن جب گلے ملنے والا کُرتا یا جبّہ پہنے ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے۔

(الھدایۃ، کتاب الکراھیۃ، فصل فی الاستبراء، ج ٤، ص ٣٧٥، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

"درمختار" میں ہے:

لو کان علیه قمیص أو جبة، جاز بلا کراهة بالإجماع وصححه في الهدایة وعلیه المتون

اگر اس کے جسم پر کُرتا یا جبّہ ہو تو بلا کراہت بالاجماع جائز ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، متونِ فقہ میں یہی ہے۔

(الدرمختار مع ردالمحتار، کتاب الکراھیۃ، باب الاستبراء، ج٩، ص ٤٥، دار المعرفۃ، بیروت)

٢٧ الف۔ اس کا معانقہ جب اس طرح ہو کہ کُرتا یا جبّہ یا کچھ حائل ہو تو بالاجماع مکروہ (ناپسندیدہ) نہیں اور یہی صحیح ہے اھ ملخصاً

(شرح نقایہ (لملا علی القاری)، کتاب الکراھیۃ، ج٢، ص ٢٢٩، ایچ۔ایم۔ سعید کمپنی، کراچی)

"شرح نقایہ" میں ہے:

عِناقُه إذا کان معه قمیص أو جبة أو غیره لم یکره بالإجماع وهو الصحیح (٢٧الف) اھ ملخصاً

اسی طرح امام نسفی نے "کافی" پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے "حاشیۂ درر مولیٰ خسرو" وغیرہا میں جزم (٢٧ ب۔ (اختیار کرکے مزید) مستحکم کیا۔) کیا اور یہی وقایہ ونقایہ وکنز واصلاح وغیرہا متون کا مفاد (٢٧ ج۔ ان کتابوں کی اصل عبارات سے فائدہ حاصل ہوا) اور شروح ہدایہ وحواشی درمختار وغیرہا میں مقرر، ان سب میں کلام مطلق ہے کہیں تخصیصِ سفر کی بو نہیں۔ (٢٧ د۔ ٹھہرایا گیا۔)

"اشعة اللمعات" میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع ست خصوصاً نزد قدوم از سفر "گلے ملنے میں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو جائز و مشروع ہے"، خصوصاً جب سفر سے آ رہا ہو۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الآداب، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ج ٤، ص ٢٣، مکتبۂ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔)

یہ "خصوصاً" بطلانِ تخصیص پر نص صریح (واضح دلیل) ۔ رہیں احادیثِ نہی (ممانعت کی احادیث)، ان میں زید کے لیے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مطلق (بے قید ممانعت کا حکم)، پھر اطلاق پر رکھئے تو حالتِ سفر بھی گئی، حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق (برابری و موافقت) اور توفیق پر چلئے تو علماء فرماتے: "ہیں وہاں معانقہ، بروجہ شہوت مراد" (جنسی خواہش) اور پُر ظاہر کہ ایسی صورت میں تو بحالتِ سفر بھی بلکہ مصافحہ بھی ممنوع، تا بمعانقہ چہ رسد (تو گلے ملنے کے بارے میں کیا کہنا؟ (یعنی پھر تو گلے ملنا بھی شہوت کی وجہ سے، اور زیادہ منع ہوگا) امام فخر الدین زیلعی "تبیین الحقائق" اور اکمل الدین بابرتی "عنایہ" اور شمس الدین قہستانی "جامع الرموز" اور آفندی شیخی زادہ "شرح ملتقی الأبحر" اور شیخ محقق دہلوی "شرح مشکوٰۃ" اور امام حافظ الدین "شرح وافی" اور سیدی امین الدین آفندی "حاشیہ شرح تنویر" اور مولیٰ عبدالغنی نابلسی "شرح طریقۂ محمدیہ" میں اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں:

وهذا لفظ الأکمل، قال: وَفَّق الشیخ أبو منصور (یعني الماتریدي إمام أهل السنة وسید الحنفیة) بین الأحادیث فقال: المکروه من المعانقة ما کان علی وجه الشهوة وعبر عنه المصنف (یعني: الإمام برهان الدین الفرغاني) بقوله: إزار واحد فإنه سبب یفضي إلیها، فأما علی

وجه البر والكرامة إذا كان عليه قميص أو جبّة فلا بأس به (یہ اکمل (الدین بابرتی) کے الفاظ ہیں، انہوں نے فرمایا کہ شیخ ابو منصور (ماتریدی، اہلسنّت کے امام اور حنفیہ کے سردار) نے (معانقہ کے جواز و منع، دونوں طرح کی) احادیث میں تطبیق فرمائی ہے۔ انہوں نے فرمایا: مکروہ وہ معانقہ ہے جو بطور شہوت ہو۔ اور مصنّف (یعنی امام برہان الدین فرغانی، صاحب ہدایہ) نے اسی کو ایک تہبند میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ یہ سبب شہوت ہوسکتا ہے لیکن نیکی اور اعزاز کے طور پر کُرتا یا جُبہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (العناية مع فتح القدير، كتاب الكراهية، فصل في الاستبراء، ج۸، ص۴۸۵، مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بے حالتِ سفر معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرایئے حالانکہ احادیثِ کثیر میں سیدِ عالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بارہا بے صورتِ مذکور بھی معانقہ فرمایا۔

حدیث اول:

بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ بطرقِ عدیدہ (بہت سے واسطوں سے) سیدنا ابُو ہریرۃ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے راوی وهذا لفظ مؤلّف منها دخل حديث بعضهم في بعض (آئندہ الفاظ، ان متعدد روایات کا مجموعہ ہے۔ بعض کی احادیث، بعض میں داخل ہیں۔) قال:

خرج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فجلس بفناء بيت فاطمة رضي الله تعالى عنها فقال: ادعي الحسن بن علي فحبسته شيئا فظننت أنها تلبسه سخابا أو تغسله فجاء يشتد وفي عنقه السخاب فقال: النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده هكذا فقال: الحسن بيده هكذا حتى اعتنق كل منهما صاحبه فقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم:" اللهم إني أحبه فأحبه و أحب من يحبه (صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الحسن والحسين رضى الله عنهما، ص ۱۳۱۹ ، رقم الحديث: ۵۶، دار ابن حزم، بيروت)".

یعنی ایک بار سید عالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کو بلایا، حضرتِ زہرا نے بھیجنے میں کچھ دیر کی، میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی، اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر آئے، گلے میں ہار پڑا تھا، سیدعالم صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھائے، حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے، حضور نے "گلے لگا کر" دعا کی: "الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تُو اسے دوست رکھ اور جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھ۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلٰی حبہ وبارک وسلم۔"

حدیث دوم:

"صحیح بخاری میں" امام حسن رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے مروی:

كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يأخذ بيدي فيقعدني على فخذهٖ ويقعد الحسين على فخذه الأخرى ويضمنا ثم يقول: "رب إني ارحمهما فارحمهما (إن هذه الرواية بالمعنىٰ واللفظ غيرها (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب وضع الصّبى على الفخذ، ج۴، ص ۱۰۱، رقم الحديث: ۶۰۰۳ دار الكتب العلمية، بيروت)".

نبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری ران پر امام حسین کو، اور ہمیں "لپٹا لیتے"۔ پھر دعا فرماتے: "الٰہی! میں ان پر رحم کرتا ہوں تُو ان پر رحم فرما۔"

حدیث سوم:

اسی میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

ضمني النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى صدره فقال: اللّٰهمّ علمه الحكمة (صحيح البخارى، كتاب فضائل أصحاب النّبى صلى الله عليه وسلم،باب ذكر ابن عباس رضى الله عنه، ج ٢، ص ٥٤٨، رقم الحديث: ٣٧٥٦، دار الكتب العلمية، بيروت)".

"سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے "سینے سے لپٹایا" پھر دُعا فرمائی: "الٰہی! اسے حکمت سکھادے۔"

حدیث چہارم:

امام احمد اپنی "مسند" میں یعلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

إن حسنا وحسينا رضي الله تعالى عنهما يستبقان إلى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فضمهما إليه (المسند لإمام أحمد بن حنبل مسندالشاميين/ حديث يعلى بن مرة / الحديث: ١٧٥٧٣، الجزء السادس، ص ١٧٨ دار الفكر، بيروت)

ایک بار دونوں صاحبزادے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو "لپٹالیا"۔

حدیث پنجم:

"جامع ترمذی" میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث ہے:

سئل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أيّ أهل بيتك أحب إليك قال: "الحسن والحسين" وكان يقول: لفاطمة "ادعي لي ابني فيشمهما ويضمهما (سنن الترمذى، كتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين بن على رضى الله عنهم، ج ٥، ص ٤٢٨، رقم الحديث ٣٧٩٧، دار الفكر بيروت)."

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، حضور کو اپنے اہل بیت میں زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا: "حسن اور حسین"۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر "سینے سے لگا لیتے" اور ان کی خوشبو سونگھتے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث ششم:

امام ابوداؤد اپنی "سنن" میں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

بينما هو يحدث القوم وكان فيه مزاح بينما يضحكهم فطعنه النبى صلى الله تعالى عليه وسلم في خاصرته بعود فقال: اصبرني قال: "اصطبر" قال: إن عليك قميصا وليس علي قميص، فوضع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن قميصه فاحتضنه وجعل يقبل كَشْحَه قال: إنما أردت هذا يارسول الله (سنن أبى داؤد، كتاب الأدب، باب فى قبلة الجسد، ج ٤، ص ٤٥٦، رقم الحديث: ٥٢٢٤، داراحياء التُّراث العربى، بيروت).

اس اثنا میں کہ وہ باتیں کر رہے تھے اور ان کے مزاح میں مزاح تھا، لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلو میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی مجھے بدلہ دیجئے، فرمایا: "لے"، عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرتا اٹھایا، انھوں نے حضور کو اپنی "کنار (آغوش) میں لیا" اور تہیگاہِ اقدس (پہلوِ اقدس) کو چومنا شروع کیا پھر عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔

دلِ عشاق حیلہ گر باشد (عاشقوں کے دل بہانہ تلاش کرنے والے ہوتے ہیں)۔

صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی کل من أحبہ وبارک وسلم

(اللہ تعالٰی کا درود وسلام اور برکتیں ہوں، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ہر اس شخص پر جو آپ سے محبت رکھتا ہے۔)

حدیث ھفتم :

اسی میں حضرت ابوذر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے:

ما لقیتہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم قط إلا صافحني وبعث إلي ذات یوم ولم أکن في أھلي فلما جئتُ أخبرت بہ فأتیتہ وھو علی سریر فالتزمني فکانت تلک أجود و أجود (سنن أبی داؤد، کتاب الأدب، باب فی المعانقۃ، ج۴، ص ۴۵۳، رقم الحدیث: ۵۲۱۴، دارإحیاء التراث العربي، بیروت).

میں حضور اقدس صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا، میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے "گلے سے لگالیا" تو اور زیادہ جید اور نفیس تر تھا۔

حدیث ھشتم:

"ابویعلی" ام المؤمنین صدیقہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قالت: رأیت النبي صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم التزم علیا وقبلہ وھو یقول: "بأبي الوحید الشھید (مسند أبی یعلٰی، مسند عائشۃ الصدیقۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنھا، ج۴، ص ۳۱۸، مؤسس علوم القرآن، بیروت)."

"میں نے نبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولیٰ علی کو "گلے لگایا" اور پیار کیا اور فرماتے تھے: "میرا باپ نثار اس وحید شہید پر"۔

حدیث نھم:

طبرانی "کبیر" اور ابن شاہین "کتاب السنۃ" میں عبداللّٰہ بن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم و أصحابہ غدیرا فقال: "لیسبح کل رجل إلی صاحبہ" فسبح کل رجل منھم إلی صاحبہ حتی بقي رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم و أبوبکر فسبَّحَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم إلی ابی بکر حتی اعتنقہ فقال: "لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت أبابکر خلیلا ولکنہ صاحبي (طبرانی کبیر، رقم الحدیث ۱۱۹۳۸، ۱۱۶۷۶، ج ۱۱، ص ۳۳۹، ۲۶۱، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت)".

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے، حضور نے ارشاد فرمایا: "ہر شخص اپنے یار کی طرف پیرے" سب نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے، رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کی طرف پیر کے تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا: "میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے"۔ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلٰی صاحبہ وبارک وسلم۔

حدیث دہم:

خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال كنا عند النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يطلع عليكم رجل لم يخلق الله بعدي أحدا خيرا منه ولا أفضل وله شفاعة مثل شفاعة النبيين فما برحنا حتى طلع أبو بكر فقام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فقبّله و التزمه (تاريخ بغداد،ترجمة ١٤٥٧ محمد بن عباس ابو بكر القاص، ج٣،ص ٣٤٠،دار الكتب العلمية،بيروت).

ہم خدمتِ اقدس حضورِ پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھے، ارشاد فرمایا: "اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر و بزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت، شفاعتِ انبیاء کے مانند ہوگی۔" ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر صدیق نظر آئے، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صدیق کو پیار کیا اور "گلے لگایا"۔

حدیث یازدہم:

حافظ عمر بن محمد مُلّا، اپنی "سیرت" میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم واقفا مع علي بن أبي طالب، إذا أقبل أبوبكر فصافحه النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عانقه و قبّل فاه فقال عليّ أ تقبل فاأبي بكر؟ فقال صلى الله تعالى عليه وسلم: "يا ابا الحسن! منزلةأبي بكرعندي كمنزلتي عند ربي (سیرت، حافظ عمر بن محمد ملا)۔

میں نے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، حضورِ پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور "گلے لگایا" اور ان کے دہن پر بوسہ دیا، مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی: کیا حضور ابوبکر کا منہ چومتے ہیں؟ فرمایا: "اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ میرے رب کے حضور۔"

حدیث دوازدہم:

ابن عبد ربہ، کتاب "بہجۃ المجالس" میں مختصراً اور "ریاض نضرہ" میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مطولاً (نہایت تفصیل کے ساتھ)، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہارِ اسلام اور کفار سے حرب وقتال (قتل وغارت گری اور جنگ) فرمانا، اور ان کے چہرۂ مبارک پر ضربِ شدید آنا، اس سخت صدمے میں بھی حضورِ اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خیال رہنا، حضورِ پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دارالارقم میں تشریف فرما تھے، اپنی ماں سے خدمتِ اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلاً مروی، یہ حدیث ہماری کتاب "**مطلع القمرَين في إبانة سبقة العمرين**" (دو چاندوں کا طلوع ہونا اس بارے میں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما (مرتبہ میں) اوّل ہیں۔) (۱۲۹۷ھ) میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتى إذا هدأت الرجل وسكن الناس خرجتا به يتكى عليها حتى أدخلتاه على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فانكبّ عليه فقبّله وانكبّ عليه المسلمون ورقّ له صلى الله تعالى عليه وسلم رِقّة شديدة (الرياض النضرة ٥٨الف۔چھل پھل)۔الحديث۔

یعنی جب مَجلِس (۵۸الف) موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے، ان کی والدہ اُم الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن امّ جمیل رضی اللہ تعالیٰ عنہا انھیں لے کر چلیں، بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے، یہاں تک کہ خدمتِ اقدس میں حاضر کیا، دیکھتے ہی "پروانہ وار شمعِ رسالت پر گر پڑے" (پھر حضور کو بوسہ دیا) اور صحابہ غایتِ محبت سے ان پر گرے، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لیے نہایت رقت فرمائی۔

حدیث سیزدھم:

حافظ ابو سعید، "شرف المصطفٰی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم" میں انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال: صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم المنبر ثم قال: "أين عثمان بن عفان"؟فوثب و قال: أنا ذا يا رسول اللّٰہ فقال: "أدن مني فدنامنه فضمه إلى صدره وقبل بين عينيه(۵۸ب.شرف المصطفٰی.)

حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: "عثمان کہاں ہیں"؟ عثمان رضی اللہ تعالی عنہ بے تابانہ اُٹھے اورعرض کی: حضور! میں یہ حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس آؤ"۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے "سینہ سے لگایا" اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

حدیث چھاردھم:

حاکم "صحیح مستدرک" میں بافادۂ تصحیح (حدیث کو صحیح قرار دے کر، فائدہ دیتے ہوئے) اور ابو یعلی اپنی "مسند" اور ابو نعیم "فضائلِ صحابہ" میں اور برہان خجندی کتاب "اربعین مسمی بالماء المعین" اور عمر بن محمد ملا "سیرت" میں جابر بن عبداللّٰہ رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی:

قال: بينا نحن مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في نفر من المهاجرين منهم أبوبكر وعمر وعثمان وعلي وطلحة والزبير وعبد الرحمن بن عوف وسعد بن أبي وقاص فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لِينهض كل رجل إلى كفوه" ونهض النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إلى عثمان فاعتنقه وقال:" أنت وليي في الدنيا والأخرة" (المستدرك للحاكم، كتاب معرفة الصّحابة رضى الله تعالٰى عنهم،

(باب كانت بيعة عثمان، رقم الحديث ۴۵۹۲، ج۴، ص۵۴، دارالمعرفة، بيروت)۔

ہم، چند مہاجرین کے ساتھ خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں حاضر تھے، حاضرین میں خلفائے اربعہ وطلحہ وزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالی عنہم تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے" اور خود حضورِ والا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عثمانِ غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی طرف اٹھ کر تشریف لائے، ان سے "معانقہ کیا" اور فرمایا: "تو میرا دوست ہے دنیا اور آخرت میں۔"

حدیث پانزدھم:

ابن عساکر "تاریخ" میں حضرت امام حسن مجتبٰی، وہ اپنے والد ماجد مولی علی مرتضٰی کرم اللہ تعالی وجوہما سے راوی:

إن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم عانق عثمان بن عفان وقال: "قد عانقت أخي عثمان، فمن كان له أخ فليعانقه

(كنز العمال، كتاب الفضائل / فضائل الصحابة، باب الفضائل عثمان ذوالنورين رضى الله عنه، رقم الحديث ۳۶۲۳۵، ج۱۳، ص۲۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: "میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا، جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہیے اپنے بھائی سے "معانقہ کرے"۔

اس حدیث میں علاوہ فعل کے، مطلقاً حکم بھی ارشاد ہوا کہ "ہر شخص کو اپنے بھائی سے معانقہ کرنا چاہیے۔"

حدیث شانزدھم :

کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا کہ "عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے"؟ عرض کی: کہ "نامحرم شخص اسے نہ دیکھے"۔ حضور نے "گلے لگالیا" اور فرمایا:

" ذرية بعضها من بعض"

(ترجمۂ کنزالایمان) "یہ ایک نسل ہے، ایک دوسرے سے" (پ۳، آل عمران: ۳۴)

أو كما ورد عن النبي صلى الله تعالى عليه واله وبارك وسلم

"یا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والہ وبارک وسلم سے وارد ہے"

بالجملہ (۶۴ الف۔ اس ساری گفتگو کے ساتھ) احادیث اس بارے میں بکثرت وارد، اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد (۶۴ ب۔ گلے ملنے کے حکم کو سفر کے ساتھ خاص کرنا، ناقص اور بلا دلیل)، بلکہ سفر و بے سفر ہر صورت میں معانقہ سنّت، اور سنّت جب ادا کی جائے گی، سنّت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحاً نہی ثابت نہ ہو، یہاں تک کہ خود امام طائفہ مانعین (منع کرنے والے گروہ کے امام) اسمٰعیل دہلوی رسالہ "نذور" میں کہ "مجموعہ زبدۃ النصائح" میں مطبوع ہو اصاف مُقِر (۶۶ الف۔ مانا) کہ معانقہ روز عید گو بدعت ہو، بدعتِ حسنہ ہے۔

حیث قال:

ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاہ وامثالہ دعا واستغفار واُضحیہ بدعت ست، بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقۂ روز عید و مصافحہ بعد نماز صبح یا عصر تمام طریقے، قرآن خوانی، فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانا، سوائے کنواں کھودنے اور اسی طرح، دعا، استغفار اور قربانی کے، (سب) بدعت ہیں مگر بدعت حسنہ خاص ہیں، جیسے عید کے دن گلے ملنا، اور نماز فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا (بدعت حسنہ ہے)۔

(مجموعه زبدة النصائح) والله تعالٰی اعلم

كتبه عبده المذنب أحمد رضا البريلوي عفي عنه بمحمد ن المصطفى النبي الأمي صلى الله تعالٰى عليه وسلم

اس (فتوی) کو اللہ عزوجل کے گنہگار بندے، احمد رضا بریلوی نے تحریر کیا، جسے اللہ عزوجل کی جانب سے محمد مصطفٰی نبی امی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقے عافیت دی گئی۔

سني، حنفي، قادري ۱۳۰۱ھ

عبدالمصطفی احمد رضا خان

اس کے معارضے میں جو فتوٰی مولوی عبدالحی صاحب کا پیش کیا گیا، اس کی عبارت یہ ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین، اس مسئلہ میں کہ بعد خطبۂ عیدین کے جو مصافحہ و معانقہ لوگوں میں مروّج ہے وہ مسنون ہے یا بدعت؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ)

هو المصوّب (وہ دُرستی تک پہنچانے والا ہے) بعد عید، مصافحہ و معانقہ مسنون نہیں، اور علماء اس باب میں مختلف (یعنی علماء، اس مسئلہ میں آپس میں اختلاف رکھتے) ہیں، بعض بدعتِ مباحہ (یعنی وہ نیا کام جس کا کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہوں۔) کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہ۔ **علٰی کل تقدیر** ترک (اس کے بعد فتوٰی مذکور میں چار عبارتیں نقل کیں: (i) عبارتِ "اذکار" کہ اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں۔

(ii) عبارتِ "درمختار" کہ یہ بدعتِ مباحہ بلکہ بدعت حسنہ ہے **كما هو موجود في الدر و إن اقتصر المجيب في النقل** (جیسا کہ یہ "درمختار" میں موجود ہے اگرچہ جواب دینے والے نے صرف نام پر کفایت کی ہے)

(iii) عبارتِ "ردالمحتار" کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہمیشہ بعد نماز کئے جاؤ تو جاہل، سنّت سمجھ لیں گے اور ابن حجر شافعی نے اسے "مکروہ" کہا ہے۔

(iv) عبارتِ "مدخل" ابن حاج مالکی المذہب کہ غیبت (یعنی جُدا ہونے) کے بعد، ابن عُیَینہ نے جائز رکھا اور عید میں ان لوگوں سے، جو اپنے ساتھ حاضر ہیں نہیں۔ اور مصافحہ، بعد عید معروف نہیں مگر عبداللہ بن نعمان فرماتے ہیں: میں نے مدینۂ خاص میں جبکہ وہاں، علماء صالحین بکثرت

موجود تھے، دیکھا کہ وہ نمازِ عید سے فارغ ہوکر آپس میں مصافحہ کرتے، تو اگر سلف (یعنی پہلے کے بزرگوں) سے نقل، مساعد (مددگار) ہو تو کیا کہنا ورنہ ترک، اولیٰ (یعنی چھوڑنا بہتر) ہے۔۱۲ منہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس کا اولیٰ ہے (مجموعۂ فتاویٰ) الخ۔

ابوالحسنات محمد عبدالحی

عبارات کہ حاشیہ پر لکھ کر پیش کی گئیں، بحروفہٖ (اس کے حروف) یہ ہیں:

إذا تردد الحکم بین سنّة وبدعة کان ترک السنة راجحا علی فعل البدعة ۱۲ ردالمحتار

(جب حکم، سنّت اور بدعت کے درمیان مشکوک ہو تو بدعت اختیار کرنے پر سنّت کو چھوڑنے کو ترجیح دی جائے گی۔)

(ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحکم ألخ، ج۲، ص۴۹۳، دار المعرفة، بیروت)

نقل في تبیین المحارم عن الملتقط: أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة رضي الله تعالی عنهم ما صافحوا بعد أداء الصلاة؛ ولأنها من سنن الروافض اه ثم نقل عن إبن حجر من الشافعیة: أنها بدعة مکروهة لا أصل لها في الشرع وأنه ینبه فاعلها أولاً و یعزر ثانیا ثم قال: وقال إبن الحاج من المالکیة في المدخل: إنها من البدع وموضع المصافحة في الشرع أنما هو عند لقاء المسلم لأخیه لا في أدبار الصلاة فحیث وضعها الشر ع یضعها فینهی عن ذلک و یزجر فاعله لما أتی به من خلاف السنة اه ردا لمحتار قوله (۸. کتبه المعترض حاشیة علی ما نقل في الفتاوی اللکنویة في عبارة الأذکار للإمام النووي رحمه اللّٰه تعالٰی من قوله "لابأس به فإن أصل المصافحه سنة و کونهم حافظوا علیها في بعض الأحوال وفرطوا في کثیر من الأحوال أو أکثر ها لایخرج ذلک البعض عن کونه من المصافحة التي ورد الشرع بأصلها". اه ۱۲ منه رضي اللّٰه تعالٰی عنه.

نقل کی گئی "فتاویٰ لکھنویہ" میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "اذکار" سے نقل کی گئی عبارت پر معترض نے حاشیہ لکھا کہ ان کی عبارت یہ ہے "اس (مصافحہ) میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اصل مصافحہ، سنّت ہے اور اکثر حالات میں لوگ مصافحہ کے اندر کوتاہی کرنے کے ساتھ صرف بعض حالات میں اگر مصافحہ کی پابندی کرتے ہیں تو اس سے یہ بعض حالات والا مصافحہ (مثلاً مصافحہ بعد نماز) اس جائز مصافحہ کے دائرے سے خارج نہ ہوگا جس کی اصلیت شریعت سے ثابت ہے۔۱۲ (یہ ان یعنی اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ہے)

لا یخرج ألخ ولا یخفی أن في کلام الإمام نوع تناقض؛ لأن إتیان السنة في بعض الأوقات لا یسمّی بدعة مع أن عمل الناس في الوقتین المذکورین لیس علی وجه الاستحباب المشروع ؛لأن محل المصافحةالمذکورة أول الملاقاة وقد یکون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة و یتصاحبون بالکلام و بمذاکرة العلم وغیره مدة مدیدة ثم إذا صلوا یتصافحون فأین هذا من السنة المشروعة و بهذا صرح بعض العلماء بأنها مکروهة وح (هکذا بخطه ولیست بهذه الحاء في عبارة المرقاة ولا لها محل في العبارة کما لایخفی ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه،

ان کی تحریر میں اس طرح یہ "ح" بنی ہوئی ہے مگر یہ عبارت، مرقاۃ میں نہیں ہے، عبارت میں اس کا موقع بھی نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (یہ ان یعنی امام اہلِ سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب سے ہے)

أنها من البدع المذمومة ۱۲ کذا في المرقاة ("ردالمحتار" میں ہے "تبیین المحارم" میں "ملتقط" سے منقول ہے کہ "ادائے نماز کے بعد مصافحہ بہر حال مکروہ ہے، اس لئے کہ صحابہ نے بعد ادائے نماز، مصافحہ نہیں کیا، اس لئے بھی کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔ اھ پھر علامہ ابن حجر شافعی سے منقول ہے کہ یہ مصافحہ، بدعتِ مکروہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اس کے مرتکب کو اوّلاً متنبہ کیا جائے گا، نہ مانے تو سرزنش کی جائے گی، پھر فرمایا کہ ابن الحاج مالکی "مدخل" میں لکھتے ہیں کہ یہ مصافحہ بدعت ہے اور شریعت میں مصافحہ کی

جگہ، مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے، نمازوں کے بعد کے اوقات، مصافحہ کا شرعی محل نہیں۔ شریعت نے جو جگہ مقرر کی ہے اسے وہیں رکھے۔ تو نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے والے کو روکا اور تنبیہ کیا جائے گا، اس لئے کہ وہ خلاف سنّت کا مرتکب ہے۔ ا ھ رد المحتار ان کا قول: کہ ''وہ خارج نہ ہوگا'' الخ، اور ظاہر ہے کہ امام نووی کے کلام میں ایک طرح کا ٹکراؤ ہے؛ اس لئے کہ بعض اوقات کے ''سنّت کے مطابق'' مصافحہ کرنے کو بدعت نہیں کہا جائے گا۔ لیکن فجر اور عصر کے، بعد ان وقتوں میں لوگوں کے مصافحہ کا عمل، شرعی مستحب کے طور پر نہیں ہے؛ اس لئے کہ مصافحہ کی جگہ بس، اوّلِ ملاقات ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ملاقات، بلا مصافحہ کرتے ہیں اور دیر تک گفتگو علمی بحث وغیرہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں۔ پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں یہ سنّتِ مشروعہ کہاں؟ اسی لئے تو بعض علماء نے صراحۃً فرمایا ہے کہ: ''یہ مکروہ ہے'' اور اس کا شمار مذموم بدعتوں میں ہے۔ جیسا کہ مرقاۃ میں ہے۔

(مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب/ باب المصافحة والمعانقة، الجزء الثامن، ص ٤٥٨ دار الفكر، بيروت)

عیدِ ثانی میں تحریرِ جواب وتقریرِ صواب وازالۂ اوہام وکشفِ حجاب (یعنی مسئلہ مذکور میں اعلیٰحضرت علیہ رحمۃ الرحمٰن کا تحریری جواب، وہموں کو دور کرنے والا، پردوں کو ہٹانے والا اور نہایت درست مواد پر مشتمل ہے۔) یعنی اس تحریر کی نقل جو برسمِ جواب مولوی معترض کے پاس مرسل (بھیجی) ہوئی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم

ہم اللہ عزوجل کی حمد کرتے اور اس کے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام بھیجتے ہیں۔

جنابِ مولانا! دام مجد کم، بعد ماھو المسنون ملتمس (عرض کرتا ہوں کہ) فتویٰ فقیر، دربارۂ معانقہ (گلے ملنے کے متعلق، فقیر (یعنی احمد رضا) کے فتوی) کے جواب میں ''مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی'' جناب نے ارسال فرمایا اور اس کی جلد اول، صفحہ ۵۲۸ طبع اول میں جو فتویٰ معانقہ مندرج ہے پیش کیا اور اس کے حاشئے پر تائیدًا کچھ عبارتِ ''ردالمحتار'' و ''مرقاۃ'' بھی تحریر فرمادی، سائل مظہر (سوال کرنے والا، خود ظاہر کررہا ہے۔) کہ جب جناب سے یہ گزارش ہوئی کہ آیا یہ مجموعہ آپ کے نزدیک مستند ہے تو فرمایا: ''ہمارے نزدیک مستند نہ ہوتا تو ہم پیش کیوں کرتے'' اور واقعی یہ فرمانا ظاہر و بجا ہے، فقیر کو اگرچہ ایسے معارضہ (اعتراض) کا جواب دینا ضرور نہ تھا مگر حسبِ اِصرارِ سائل، محض بغرضِ اِحقاقِ حق و اِزہاقِ باطل، چند التماس (گزارشات) ہیں، معاذ اللہ کسی دوسری وجہ پر حمل (یعنی کوئی دوسری وجہ خیال) نہ فرمایئے، فقیر ہر مُسِن (سنّت پر عمل کرنے والے) مسلمان کو مستحقِ ادب جانتا ہے، خصوصاً جناب تو اہلِ علم وسادات سے ہیں، مقصود صرف اتنا ہے کہ جناب بھی بمقتضائے بزرگی حسب ونسب وعمر وعلم ان گزارشوں کو بنظرِ غور وتحقیقِ حق، استماع (نہایت توجہ سے سماعت) فرمائیں، اگر حق واضح ہو تو قبول، مرجوح وماموول (اگر حق واضح ہو تو اسی کو قبول کیا جائے، ترجیح دی جائے گی، کیونکہ علماء کے لئے حق کی طرف رجوع کرنے میں شرم نہیں بلکہ شرم کا مقام تو، معاذ اللہ، باطل پر اصرار کرنے میں ہے۔) کہ علماء کے لئے رجوع الی الحق عار (۹۳) نہیں بلکہ معاذ اللہ اصرار علی الباطل قال تعالیٰ:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ

ترجمۂ کنزالایمان: ''تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں، پھر اس کے بہتر پر چلیں''۔ (پ ۲۳، الزمر: ۱۷، ۱۸)

التماس اول :

اس ''مجموعۂ فتاوی'' سے استناد، الزامًا ہے یا تحقیقًا؟ علی الاوّل (پہلی صورت یعنی استناد الزامًا ہے تو) فقیر نے کب کہا تھا کہ کسی معاصر کی تحریر مجھ پر حجت ہے، علی الثانی)

اور دوسری صورت یعنی استناد تحقیقًا ہے تو) پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب خادمانِ علم پر احتجاجًا پیش کرنے کے قابل ہے۔

دوم:

شاید جناب نے اس مجموعہ کو استیعابًا (اول تا آخر) (یعنی مکمل طور پر) ملاحظہ نہ فرمایا، اس میں بہت جگہ وہ مسائل وکلمات ہیں جو آج کل کے فرقۂ مانعین (منع کرنے والا ٹولہ) کے بالکل مخالف وقالعِ اصلِ مذہب (مذہب کی بنیادوں کو اکھاڑنے والے۔) ہیں۔ تمثیلاً ان میں سے چند کا نشان دوں۔

جلد اول، صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں:

"کتبِ فقہیہ میں نظائر (مثالیں) اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنۂ سابقہ میں ان کو وجود نہ تھا مگر بسبب اغراضِ صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا (مجموعہ فتاوی عبدالحی)۔"

صفحہ ۲۹۴ پر ہے:

"الوداع یا الفراق کا خطبہ، آخر رمضان میں پڑھنا اور کلمات، حسرت و رخصت کے ادا کرنا، فی نفسہٖ امر مباح (جائز کام) ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت و توبۂ سامعان ہوئے تو امیدِ ثواب ہے، مگر اس طریقہ کو ثبوت قرونِ ثلثہ (تینوں زمانوں (یعنی دورِ رسالت، دورِ صحابہ اور دورِ تابعین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) میں نہیں (مجموعۂ فتاوی عبدالحی) الخ۔"

جلد دوم، صفحہ ۱۷۰ میں ہے:

کسے کہ می گوید کہ وجودیہ و شہودیہ از اہلِ بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست و منشاءِ قولش، جہل و ناواقفیت است از احوالِ اولیاء و از معنیٰ توحیدِ وجودی و شہودی و شاعرے کہ ذمِ ہر دو فرقہ ساختہ قابل ملامت ست (جو کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ، اہل بدعت ہیں، اس کا قول، قابل اعتبار نہیں، اور اس کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اولیاء (علیہم ==الرحمۃ) کے احوال اور توحید وجودی و شہودی کے معنیٰ سے جاہل و بے خبر ہے اور جس شاعر نے دونوں فرقوں (وجودیہ و شہودیہ) کی مذمّت کی ہے وہ قابلِ ملامت ہے۔ (مجموعۂ فتاوی عبدالحی)۔

صفحہ ۴۲۱ پر ہے:

"شغلِ برزخ (کسی قبر کے حالات معلوم کرنا) اس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ (درویشوں کی اصطلاح میں وہ اشخاص، جو اپنے دلوں کو دنیا کی آلائشوں سے پاک وصاف رکھیں اور ان میں سوائے خداعزوجل کے کسی کا خیال نہ آنے دیں۔ چونکہ یہ اکثر صوف (یعنی اُون) کا لباس پہنتے تھے اس لئے صوفی کہلائے۔

و اللہ و رسولہٗ اعلم عزوجل و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے لکھا ہے، نہ شرک، ہے نہ ضلالت (گمراہی)، ہاں افراط و تفریط (حد سے بڑھنا اور کوتاہی) اس میں منجر ضلالت (کھینچنے والی، گمراہی) کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوبات مجدد الف ثانی میں جابجا موجود ہے (مجموعۂ فتاوی عبدالحی)۔"

جلد سوم، صفحہ ۸۵ میں ہے:

سوال :

وقتِ ختمِ قرآن در تراویح سہ بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یا نہ؟

جواب :

مستحسن ست۔

سوال:

تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین بار سورۃ اخلاص پڑھتے ہیں، یہ مستحسن ہے یا نہیں؟

جواب :

مستحسن ہے۔

(مجموعۂ فتاویٰ عبد الحی)

صفحہ ۱۲۷ پر ہے:

سوال:

بسم اللہ نوشتن بر پیشانی میّت از انگشت درست یا نہ؟

جواب:

درست ست۔

سوال:

انگلی سے میت کی پیشانی پر "بسم اللہ" لکھنا درست ہے یا نہیں؟

جواب:

درست ہے۔(مجموعۃ فتاوی عبدالحی)

صفحہ ۱۵۲ میں ہے:

"درمجالسِ مولد شریف کہ از سورۂ والضحٰی تا آخری خوانند البتہ بعدِ ختم ہر سورۃ تکبیری گویند راقم شریک مجالس متبرکہ بودہ ایں امر را مشاہدہ کردم ہم در مکہ معظمہ و ہم در مدینہ منوّرہ و ہم در جدّہ (میلاد شریف کی محفلوں میں سورۂ والضحٰی سے آخر (قرآن) تک پڑھتے ہیں، ہر سورت ختم کرنے کے بعد تکبیر کہتے ہیں، راقم نے ان متبرک محفلوں میں شریک ہو کر اس امر کا مشاہدہ کیا ہے، مکّہ معظمہ میں بھی، مدینہ منورہ میں بھی اور جدہ میں بھی۔
(مجموعۃ فتاوی عبدالحی)۔"

طرفہ تر "عجیب تر" یہ کہ صفحہ ۱۴۰ پر لکھتے ہیں:

سوال:

پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی در مصرف خود آرد یا تصدق نماید؟

جواب:

ظاہراً در استعمال پارچہ مذکور بصرف خود وجہے کہ موجب بزہ کاری باشد نیست و اولیٰ آنست کہ بمساکین وفقرا دہد (سوال: سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لائے یا صدقہ کر دے؟ جواب: مذکورہ کپڑا، اپنے مصرف میں لانے کے اندر بظاہر کوئی گناہ کی کوئی وجہ نہیں اور بہتر یہ ہے کہ مساکین وفقراء کو دے دے۔ (مجموعۃ فتاوی عبدالحی۔)

جناب سے سوال ہے کہ مولوی صاحب کے یہ اقوال کیسے؟ اور ان کے قائل ومعتقد (ان کے کہنے والے اور اعتقاد رکھنے والے) کا حکم کیا ہے ؟خصوصاً شغلِ برزخ کو جائز جاننے والا معاذ اللہ مشرک یا گمراہ ہے یا نہیں؟ اور جس کتاب میں ایسے اقوال مندرج ہوں مستند ومعتمد ٹھہرے گی یا پایۂ احتجاج سے ساقط "دُور" ہوگی؟ **بیّنوا، توجروا.**

سوم:

مولوی صاحب نے اس فتوی میں معانقۂ عید کی نسبت صرف اتنا حکم دیا کہ "ترک اس کا اولیٰ (چھوڑنا اس کا، بہتر) ہے" اس سے ممانعت درکنار، اصلاً کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی "اَوْلَوِیّتِ ترک، نہ مشروعیت واباحت کے منافی نہ کراہت کو مستلزم ("عید کے موقع پر گلے ملنے کے چھوڑ دینے" کو بہتر کہہ دینے سے، نہ تو شریعت کے کسی قاعدہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور نہ ہی اس کے جائز ہونے پر کوئی اثر پڑتا ہے، حتّٰی کہ اس کا مکروہ ہونا

بھی لازم نہیں آتا۔)"

ردالمحتار میں ہے:

الاقتصار علی الفاتحه مسنون، لا واجب فکان الضم خلاف الفعل والترک (فرض نماز کی تیسری اور چوتھی رکعتوں میں سورۂ) فاتحہ پر کفایت کرنا (صرف) سنت ہے، واجب نہیں ،تو (ان رکعتوں میں سورت) ملانا بہتر کے خلاف (پر عمل کرنا ہوگا) اور یہ (اس کے) جائز ومباح ہونے کے منافی نہیں، (جائز ہونے سے) مراد یہ ہے کہ کرنے اور نہ کرنے، (دونوں) میں گناہ نہیں۔

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ،مطلب: کل صلاۃ مکروھة تجب إعادتھا، ج۲، ص۱۸۶،دار المعرفة،بیروت)

اسی میں ہے:

صرح في البحر في صلاة العيد عند مسئلة الأكل بأنه لايلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة"إذ لابد لها من دليل خاص"اه أشار إلى ذلك في" التحرير الأصولي" بأن "خلاف الأولى ما ليس فيه صيغة نهي "كترك صلاة الضحى بخلاف المكروه تنزيها (''بحرالرائق'' میں جہاں یہ مسئلہ ہے کہ نماز عید سے پہلے کچھ کھالینا مستحب ہے، وہیں وضاحت فرمائی ہے کہ اس مستحب کو اگر کسی نے چھوڑ دیا تو وہ == فعل مکروہ کا مرتکب نہ ہوگا، کیونکہ مستحب کو چھوڑنے سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں آتا،اس لئے کہ مکروہ ہونے کے لئے کوئی خاص دلیل ضروری ہے۔اور اس کی طرف ''تحریر اصولی'' میں بھی اشارہ کیا ہے کہ ''خلافِ اولی (یعنی بہتر کا خلاف) وہ ہے جس میں نہی کا صیغہ نہ ہو'' جیسے نماز چاشت کا چھوڑنا، بخلاف مکروہ تنزیہی کے (کہ اس میں نہی کا صیغہ ہوتا ہے)

(ردالمحتار، کتاب الصلاۃ،مطلب :لا یلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهية ،ج۳،ص۶۹،دار المعرفة،بیروت)

پھر اگر جناب کے نزدیک بھی حکم وہی ہے جو مولوی صاحب نے اپنے فتوی میں لکھا تو تصریح فرمادیجئے کہ عید کا معانقہ شرعاً ممنوع نہیں، نہ اس میں اصلاً کوئی حرج ہے، ہاں! نہ کرنا بہتر ہے، کرلے تو مضائقہ نہیں۔

چہارم: آپ نے جو عبارت ''ردالمحتار'' و ''مرقاۃ'' نقل فرمائیں، ان میں معانقۂ عید کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں، اُن میں تو مصافحہ بعد نمازِ فجر وعصر یا نمازِ پنجگانہ کا بیان ہے، اور جناب کو منصب اجتہاد (فقہاء اسلام کی اصطلاح میں قرآن وحدیث اور اجماع پر قیاس کرکے شرعی مسائل نکالنے کا عہدہ) حاصل نہیں کہ ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس فرمائیں، اگر فرمایئے کہ ''جو دلائل اس میں لکھے ہیں یہاں بھی جاری۔''

اقول:

یہ محض ہوس ہے، ان عبارتوں میں تین دلیلیں مذکور ہوئیں:

(i) محلِ مصافحہ، ابتدائے ملاقات ہے، نہ بعد صلوات۔

(ii) یہ مصافحۂ مخصوصہ، سنتِ روافض (شیعوں کا ایک مشہور گروہ) ہے۔

(iii) صحابۂ کرام نے یہ خاص مصافحہ نہ کیا۔

یہ تینوں تعلیلیں (وجہیں) اگرچہ فی انفسہا (اپنی حقیقت کے اعتبار سے) خود ہی علیل (کمزور) اور نا قابل قبول ہیں **کما حققناه بتوفيق الله تعالىٰ في فتاونا** والہٰذا قول اصح یہی ٹھہرا کہ وہ مصافحۂ مخصوصہ بھی جائز و مباح ہے **کماسنذکر إن شاء الله تعالىٰ** (جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب ذکر کریں گے۔)

مگر ہمارے مسئلۂ دائرہ (درپیش مسئلہ) یعنی معانقۂ عید سے دو دلیل پیشیں کو تو، اصلاً علاقہ (تعلق) نہیں۔

محل ''مصافحہ'' خاص ابتدائے لقا (ہاتھ ملانے کا موقعہ، بالخصوص ملاقات کی ابتداء میں) ہو تو بھی ''معانقہ'' کی اس وقت سے تخصیص ہرگز مسلّم (درست) نہیں ومن ادعی فعلیه البیان (جو دعوٰی کرے تو بیان (دلیل) اس کے ذمہ ہے)۔

مولوی صاحب لکھنوی کا بے دلیل وسند لکھنا مسموع (قبول) نہیں ہوسکتا، بلکہ معانقہ، مثل تقبیل۔ (بوسہ دینے کی طرح) اظہارِ سرور و بشاشت و وِداد (دوستی) ومحبت ہے، جیسے تقبیل، خاص ابتدائے لقا سے مخصوص نہیں، یوں ہی معانقہ۔

جناب نے فتاویٰ فقیر میں حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مروی ''کتاب السنۃ'' ابن شاہین و''معجم کبیر'' امام طبرانی ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ

حضورِ پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تالاب پیر (تالاب عبور کرنے کی حالت) نے میں امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گلے لگایا، ونیز حدیثِ اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مروی ''سُنن ابی داوٗد'' کہ انھوں نے باتیں کرتے، کرتے حضورِ والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کُرتا اٹھانے کی، درخواست کی حضور نے قبول فرمائی، وہ حضور کے بدنِ اقدس سے لپٹ گئے اور تہی گاہ مبارکہ (کوکھ مبارکہ) پر بوسہ دیا، ونیز حدیث ''صحیح مستدرک'' کہ اثنائے مجلس میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ذی النورین سے معانقہ فرمایا، ونیز حضرت بتولِ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضورِ پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے پوچھا: ''عورت کے لیے سب سے بہتر کیا ہے''؟ عرض کی: یہ کہ کوئی نامحرم اسے نہ دیکھے۔ حضور نے گلے سے لگالیا۔ ان سب صورتوں میں ابتدائے لقا کا وقت کہاں تھا کہ معانقہ فرمایا گیا، یوں ہی پیار سے اپنے بچوں، بھائیوں، زوجہ کو گلے لگانا شاید اوّلِ ملاقات ہی پر جائز ہوگا، پھر ممانعت کی جائے گی؟

یوں ہی مصافحہ بعد نمازِ فجر و عصر اگر کسی وقت کے روافض نے ایجاد کیا اور خاص ان کا شعار (طریقہ) رہا ہو، اور بدیں (۱۴۲الف لس وجہ سے) وجہ اس وقت کے علماء نے اہلِ سنّت کے لئے اسے ناپسند رکھا ہو تو معانقۂ عید کا زبردستی اس پر قیاس کیونکر ہو جائے گا، پہلے ثبوت دیجئے کہ ''یہ رافضیوں کا نکالا اور انھیں کا شعارِ خاص ہے'' ورنہ کوئی امرِ جائز کسی بدمذہب کے کرنے سے ناجائز یا مکروہ نہیں ہوسکتا، لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلِ سنّت و روافض بلکہ مسلمین و کفار سب شریک ہیں، کیا وہ اس وجہ سے ممنوع ہو جائیں گی؟

''بحر الرائق'' و ''درمختار'' و ''ردالمحتار'' وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ ''بدمذہبوں سے مشابہت اُسی امر میں ممنوع ہے جو فی نفسہٖ شرعاً مذموم یا اس قوم کا شعارِ خاص یا خود فاعل کو اُن سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زِنہار (۱۴۲اب ہرگز) وجہِ ممانعت نہیں۔''

رہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ کرنا، یہ تنہا دلیلِ منع نہیں ہوسکتا، آپ کی تینوں کتب متندہ اعـنـی (میری مراد) مجموعہ فتاوٰی و ردالمحتار و مرقاۃ شریف اور ان کے سوا صدہا کتبِ معتمدہ اس کے بطلان (باطل ہونے) پر گواہ ہیں، فقہاءِ کرام سیکڑوں چیزوں کو یہ تصریح فرما کر کہ نَو پیدا (نئی پیدا شدہ) ہیں، جائز بلکہ مستحب و مستحسن بلکہ واجب بتاتے اور مُحدَثات (۱۴۶الف نئی باتوں یا چیزوں) کو اقسامِ خمسہ کی طرف تقسیم فرماتے ہیں، ''مجموعۂ فتاوٰی'' کی عبارتیں گزریں، ''ردالمحتار'' میں ہے:

قوله: أي صاحب بدعة، أي محرمة و إلا فقد تكون واجبة، كنصب الأدلة للرد على أهل الفِرق الضالة وتعلم النحو المفهم الكتاب و السنة و مندوبة كإحداث نحو رباط و مدرسة و كل إحسان لم يكن في الصدر الأول و مكروهة كزَخرَفَةِ المساجد و مباحة كالتوسع بلذيذ المآكل و المشارب و الثّياب كما في" شرح الجامع الصغير" للمناوي عن "تهذيب النووي" و مثله في "الطريق المحمدية" للبركوي (۱۴۶ابان (شارح رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ''صاحب بدعت'' (یہاں بدعت) سے مراد حرام (بدعت) ہے، ورنہ وہ (یعنی بدعت) واجب ہوگی۔ جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا، (علمِ) نحو سیکھنا، جس سے قرآن و سنّت کو سمجھ سکیں، ''یا'' مستحب جیسے سرائے اور مدرسہ جیسی چیزیں تعمیر کرنا اور ہر وہ نیک کام، جو زمانۂ اول میں نہ رہا ہو۔ ''یا'' مکروہ جیسے مسجدوں کو آراستہ و منقش کرنا، ''یا'' مباح جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت و فراخی کی راہ اختیار کرنا۔ جیسا کہ علامہ مناوی کی ''شرح جامع صغیر'' میں، علامہ نووی کی کتاب ''تہذیب''

سے منقول ہے اور اسی طرح علامہ برکوی کی کتاب "الطّريق المحمديه" میں ہے۔

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: البدعة خمسة أقسام، ج۲، ص۳۵٦، دار المعرفة، بيروت)

مرقاۃ شریف میں ہے:

"إحداث ما لاينازع الكتاب و السنة كما سنقرره بعد ليس بمذموم" ''ایسا کام ایجاد کرنا، جو قرآن و سنّت کے مخالف نہ ہو، بُرا نہیں، جیسا کہ ہم آگے عنقریب ثابت کریں گے''۔

(مرقاة شرح المشكاة، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسّنة، الفصل الأول، ج۱، ص۳٦٦ رقم الحديث ۱٤٠، دار الفكر، بيروت)

پھر ایک صفحہ کے بعد بدعت کا واجب و حرام و مندوب (مستحب) و مکروہ و مباح (جائز) ہونا مفصلاً ذکر فرمایا۔

”عالمگیری“ میں ہے :

لاباس بکتابة أسامي السور و عدد الآي وهو إن کان إحداثا فھو بدعةحسنة و کم من شيء کان إحداثــا وھــو بدعة حسنة“ (سورتوں کے نام اور آیتوں کی تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں، وہ اگر چہ نئی ایجاد اور بدعت ہے، مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نئی پیدا شدہ تو ہیں، مگر بدعت حسنہ ہیں۔

(الفتاوٰی العالمکیریة ، کتاب الکراھیة، باب آداب المسجد، ج۵، ص ۳۲۳، مکتبۂ رشیدیہ، سر کی روڈ، کوئٹہ)

امام ابن ہمام ”فتح القدیر“ میں رکعتینِ قبل مغرب کا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم سے ثابت نہ ہونا، ثابت کر کے بتاتے ہیں:

ثـم الثابت بعد ھذا ھو نفي المندوبية إما ثبوت الکراھة فلا إلا أن یَدُلَّ دلیل آخر (پھر اس کے بعد صرف یہ ثابت ہوا کہ وہ (نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں) مندوب و مستحب نہیں لیکن مکروہ ہونا ثابت نہیں، ہاں اگر اس (ثبوتِ کراہت) پر کوئی اور دلیل ہو (تو وہ دوسری بات ہے)

(فتح القدیر، کتاب الصلاة، باب النوافل، ج۱، ص ۳۸۹، مکتبہ رشیدیہ، سر کی روڈ، کوئٹہ)

مع ہذا، حضراتِ مانعین زمانہ، تین قرن تک اختیارِ تشریع مانتے (تین زمانوں (یعنی دورِ رسالت، دورِ صحابہ اور دورِ تابعین) تک شریعت کے دائرے میں رہ کر کسی کام کے جاری کرنے کا اختیار)، اور مُحدَثاتِ تابعین (تابعین کے ایجاد کردہ کام) کو بھی غیر مذموم (مذمت سے مستثنٰی) جانتے ہیں، تو صرف عدمِ فعلِ صحابہ سے استدلال اُن کے طور پر بھی ناقص وناتمام (نامکمل) ہے، کلام ان مباحث میں طویل ہے کہ ہم نے اپنے رسائلِ عدیدہ (کئی رسائل) میں ذکر کیا، یہاں بھی دو حرف مجمل کافی ہیں **و باللّٰہ التّوفیق.**

پنجم:

”ردالمحتار“ و”مرقات“ کی یہ عبارتیں اگر جناب نے دیکھیں تو درر وغرر وکنز الدقائق ووقایہ ونقایہ ومجمع وملتقٰی واصلاح والایضاح وتنویر وغیر ہا عامۂ متونِ مذہب کے اطلاقات (عام حنفی مذہب کی فقہ کی اصل کتب کی غیر مقید باتیں) ملاحظہ فرمائے ہوتے، جنھوں نے مطلقاً بلاتقیید وتخصیص (بغیر کسی قید اور خاص کرنے کے) مصافحہ کی اجازت دی۔ **درمـخـتـار و حـاشـیـه علامه طحطاوی و شرح علامه شهاب شـلـبی و فتح الله المعین، حاشیۂ کنز وغنیۂذوی الأحکام ،حاشیۂ درر و حاشیۂ مراقی الفلاح و نسیـم الـریـاض شـرح شـفـائـے امـام قـاضـی عیـاض و مجمع بحار ا لأنوار و مطالب المومنین ومسـوّٰی، شـرح مؤطا وتکملۂ شرح اربعینِ علامه بر کوئی للعلامه محمد آفندی و حدیقۂ ندیه شـرح طـریـقـۂ محمدیه للعلامة النابلسی و فتوٰیٔ امام شمس الدین بن امام سراج الدین خانوتی وغیـــرهم** علمائے حنفیہ کی تصریحاتِ جلیلہ بھی دیکھی ہوتیں کہ صاف صاف مصافحۂ مذکورہ اور اسی طرح مصافحۂ عید کو بھی جائز بلکہ مستحسن بلکہ سنّت بتاتے ہیں۔ ”درمختار“ میں ہے:

”إطـلاق الــمـصـنف تبعا للدرر و الکنز والوقاية والمجمع و الملتقی وغيرها يفيد جوازها مطلقاً ولـو بـعـد الـعـصـر وقولهم : إنه بدعة أي: مباحة حسنة کما أفاده النووي في أذکاره وغيرُه في غيرِه (درر، کنز، وقایہ، مجمع، ملتقٰی، وغیرہا کی پیروی میں مصنّف نے (بھی، یہاں مصافحہ کا ذکر) مطلق رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ (مصافحہ) مطلقاً جائز ہے خواہ بعد عصر ہی کیوں نہ ہو اور ان (لوگوں) کا یہ کہنا کہ وہ بدعت ہے (تو اس سے) مراد، جائز، (اچھی بدعت) ہے۔ جیسا کہ امام نووی نے ”اذکار“ میں اور ان کے علاوہ (دوسرے علماء) نے اس کے علاوہ (دوسری کتابوں) میں فوائد ذکر کیے ہیں۔

(الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، ج۹، ص ۶۲۸، ۶۲۹، دار المعرفة، بیروت)

کن چیزوں سے معانقہ مکروہ ہے :

"اصلاح" و "ایضاح" میں ہے:

"كُرِه تقبيل الرجل وعناقه في إزار واحد وجاز مع قميص كمصافحة"

(آدمی کا بوسہ دینا اور اس کا معانقہ کرنا، ایک تہبند میں مکروہ ہے اور کُرتے کے ساتھ ہو تو جائز)

"حدیقۂ ندیہ" میں ہے:

"بعض المتاخرين من الحنفية صرح بالكراهة في ذلك ادعاءً بأنه بدعة مع أنه داخل في عموم سنة المصافحة مطلقا" (بعض متاخرین حنفیہ نے اس مصافحہ کے بدعت ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے اسے صراحۃً مکروہ بتایا ہے باوجود یہ کہ وہ مطلق مصافحہ کے عموم میں داخل ہو کر مسنون ہے۔

(الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية، باب الخلق الثّامن والأربعون، ج٢، ص ١٥٠، مطبوعه دار الطباعة عامره مصر)۔

"مجمع البحار" میں ہے:

"هي من البدع المباحة"

آپ کی اسی "ردالمحتار" میں بعد نقل عبارتِ امام نووی ہے:

"قال الشيخ أبو الحسن البكري وتقييده بما بعد الصبح و العصر على عادة كانت في زمنه و إلا فعقب الصلوات كلها كذلك، كذا في رسالة الشرنبلالي في المصافحة و نقل مثله عن الشمس الحانوتي و أنه أفتى به مستدلا بعموم النصوص الواردة في مشروعيتها وهو الموافق لما ذكره الشّارح من إطلاق المتون" (شیخ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں کہ ان (امام نووی) نے بعد فجر و عصر کی قید کے ساتھ اس (مصافحہ) کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ان کے زمانے میں یہی رائج تھا، ورنہ اس (بعد فجر و عصر) کی طرح تمام نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ یہی علامہ شرنبلالی کے مصافحہ کے متعلق رسالہ میں ہے اور اسی کے مثل علامہ شمس الدین حانوتی سے منقول ہے کہ انہوں نے اس (مصافحہ) کے جواز کے بارے میں واردشدہ (احادیث اور) نصوص سے استدلال فرماتے ہوئے اس (مصافحہ) کے بھی جائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ اور یہی اس کے موافق ہے جو شارح (یعنی صاحبِ درمختار، علاء الدین حصکفی) نے متونِ (فقہ) کا اطلاق ذکر کیا ہے۔

(ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، ج٩، ص٦٢٨، دار المعرفة، بيروت)۔

شاہ ولی اللہ دہلوی "مسوّیٰ" میں کلامِ امام نووی نقل کر کے کہتے ہیں:

"أقول: وهكذا ينبغي أن يقال في المافحة يوم العيد"

میں کہتا ہوں:

(جس طرح امام نووی نے مصافحہ بعد فجر و عصر کے جواز میں استدلال کیا ہے) یہی استدلال مصافحۂ (روزِ) عید میں بھی جاری ہونا چاہئے۔

(مسوّیٰ)۔

اور بعض نسخِ "مسوّیٰ" میں "و المعانقة يومَ العيد أيضا (اور روزِ عید کے "معانقہ" میں بھی)"۔

"مناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحہ" میں تکملۂ شرح اربعین سے ہے:

"لا وجه لجواب إبن حجر الشافعي وقد سُئل عن المصافحة بعد الصلاة فقال: هى بدعة، انتهى؛ لأن حالة السلام حالة اللقاء؛ لأن المصلي لما أحرم صار غائبا عن الناس مقبلا على الله تعالى، فلما أدى حقه قيل له: إرجع إلى مصالحك وسلم على إخوانك لقدومك عن غيبتك ولذلك ينوي القوم بسلامه كماينوي الحفظة وإذا سلم يندب المصافحة أو تسن كالسلام، كما أجاب شيخ الإسلام، شيخ مشائخنا شمس الدين محمد بن سراج الدين

الحانوتي و قد رفع له هذا السؤال فقال: نص العلماء على أن المصافحة للمسلم لا للكافر مسنونة من غير أن يقيدوها بوقت دون وقت لقوله عليه الصلاة و السلام: "من صافح أخاه المسلم وحرك يده تناثرت ذنوبه و نزلت عليها مأة رحمة تسعة و تسعون منها لأسبقهما و واحدة لصاحبه". و قال أيضا: "ما من مسلمين يليقيان فيتصافحان إلاغفر لهماقبل أن يتفرقا" فالحديث الأول يقتضي مشروعية المصافحة مطلقا أعم من أن تكون عقب الصلوات الخمس و الجمعة و العيدين أو غير ذلك، لأن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم لم يقيد ها بوقت دون وقت و الدليل العام عند الحنفية إذا لم يقع فيه تخصيص من الأدلة الموجبة للحكم قطعا، كالدليل الخاص وقالوا: الدليل العام يعارض الخاص لقوته، والدليل ههنا عام؛ لأن صيغة "مَنْ" من صِيَغِ العموم وكذا نقل عن شيخ مشائخنا العلامة المقدسي حديث "من صافح مسلما و قال عند المصافحة ألّلهم صل على محمد وعلى آل محمد لم يبق من ذنوبه شئي" فصيغته أيضا من صيغ العموم ذكر ه الشُّرُنْبُلالي في رسالته المسماة "بسعادة أهل الإسلام" (علامہ) ابن حجر شافعی نے مصافحہ بعد نماز سے متعلق پوچھے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ بدعت ہے ان کے (اس) جواب کی کوئی (قابلِ قبول) وجہ نہیں، اس لئے کہ سلام نماز کی حالت، حالت ملاقات ہے، اس لئے جب نماز پڑھنے والے نے تحریمہ باندھ لیا تو وہ لوگوں سے غیر حاضر اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگیا پھر جب اس (اللہ) کے حق کی ادائیگی سے فارغ ہوا تو اس سے کہا گیا کہ: اب تو اپنی ضروریات کی طرف واپس ہو اور اپنے (مسلمان) بھائیوں کو سلام کر، کیونکہ تُو اپنی غیر حاضری سے آرہا ہے؛ اسی لئے تو وہ اپنے سلام میں لوگوں کی بھی نیت کرے گا۔ جیسے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا اور جب سلام کیا تو مصافحہ اس کے لئے مستحب یا مسنون ہے، جیسے سلام، اسی طرح شیخ الاسلام، ہمارے مشائخ کے شیخ شمس الدین محمد بن سراج الدین حانوتی نے جواب دیا، جب کہ ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا۔
تو انہوں نے فرمایا: علماء نے کافر سے تو نہیں مگر مسلمان سے مصافحہ کو کسی خاص وقت کی کوئی قید لگائے بغیر مسنون ہونے پر نص فرمایا ہے۔ اس لئے کہ

حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے:

''جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں اور دونوں پر کُل سو رحمتیں نازل ہوتیں ہیں، ننانوے اس کے لئے جس نے مصافحہ میں پہل کی اور ایک اس کے دوسرے ساتھی کے لئے'' اور (حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے) یہ بھی فرمایا کہ ''جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت ہوجاتی ہے''۔
پہلی حدیث کا تقاضہ یہ ہے کہ مصافحہ، مطلقاً (بغیر کسی قید کے) جائز و مشروع ہو، خواہ نماز پنجگانہ، جمعہ اور عیدین کے بعد ہو یا کسی اور وقت، اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مصافحہ کو کسی خاص وقت سے مقید نہ فرمایا اور حنفیہ کے نزدیک دلیل عام کا بھی وہی رتبہ ہے جو دلیل خاص کا ہے، جبکہ دلیل عام کو حکم کے لئے قطعی طور پر لازم کرنے والی دلیلوں سے خاص نہ کیا گیا ہو بلکہ وہ تو اس کے قائل ہیں: کہ دلیل عام اتنی قوی ہوتی ہے کہ دلیل خاص سے معارض (ٹکراتی) اور اس پر فوقیت رکھتی ہے، اور یہاں دلیل (مصافحہ) عام ہے اس لئے کہ (حدیث میں)
کلمہ ''مَن'' (ہے جو) عموم کے صیغوں میں سے ہے، یوں ہی ہمارے شیخ المشائخ علامہ مقدسی سے یہ حدیث منقول ہے ''جس نے کسی مسلمان سے مصافحہ کیا اور بوقتِ مصافحہ (درود شریف)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ

(اے اللہ تو درود بھیج حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور محمد کی آل پر) پڑھا تو اس کے گناہوں سے کچھ باقی نہیں رہ سکتا'' اس (حدیث) کا صیغہ بھی عموم کے صیغوں میں سے ہے، اسے علامہ شرنبلالی نے اپنے رسالہ بنام ''سعادۃ الاسلام'' میں ذکر کیا ہے۔

(مناصحة فی تحقیق مسئلة المصافحة)

علامہ سید ابوالسعود ازہری ''حاشیہ کنز'' میں فرماتے ہیں:

في شرح الشهاب الشلبي" وما إعتاده الناس بعد صلاة الصبح و العصر فلا أصل له لكن لا بأس به''

(شہاب شلبی کی شرح میں ہے: نمازِ فجر وعصر کے بعد جو مصافحہ لوگوں میں رائج ہے اس کی کوئی اصل نہیں، مگر اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

(فتح المعین حاشیة علٰی شرح ملاّ مسکین) الخ۔

"غنیہ حاشیہ غرر ودرر" باب صلوٰۃ العیدین میں ہے:

"المستحب الخروج ماشیا والرجوع من طریق اٰخر والتھنئة بتقبل اللہ منا و منکم لا تنکر کما في البحر، و کذا المصافحة بل ھي سنة عقب الصلوات کلھا عند کل لقی، و لنا فیھا رسالة سمیتھا "سعادة أھل الإسلام بالمصافحة عقب الصلاة و السلام" (عید کے دن عیدگاہ کو پیدل جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا ہی مستحب (پسندیدہ) ہے۔ اور تقبل اللہ منا ومنکم (اللہ ہمارے اور تمہارے عمل قبول فرمائے) کے الفاظ سے مبارکباد پیش کرنے میں کوئی برائی نہیں، جیسا کہ "بحر الرائق" میں ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ وہ تو تمام نمازوں کے بعد ہر ملاقات کے وقت سنّت ہے اور اس بارے میں "سعادة أھل الإسلام بالمصافحة عقب الصلاة و السلام" (نماز کے بعد مصافحہ وسلام میں اہلِ سلام کی خوش بختی) نامی، ہمارا ایک رسالہ ہے۔

(غنیة ذوی الأحکام علی حاشیة غرر الأحکام، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین، ج۱، ص۱٤۲، میر محمد کتب خانہ کراچی)۔

"فتح اللہ المعین علی شرح العلامۃ الملا مسکین" میں ہے:

"من المستحب إظھار الفرح و البشاشة (إلی قوله) و التھنئة بتقبل اللہ منا و منکم و کذا المصافحة بل ھي سنة عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی، شرنبلالیة" (عید کے دن) خوشی ومسرت ظاہر کرنا اور "تقبل اللہ منّا ومنکم" (اللہ ہمارے اور تمہارے عمل قبول فرمائے) کے ذریعہ مبارکباد دینا مستحب (پسندیدہ) ہے۔ اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنّت ہے، شرنبلالیہ (فتح المعین علی شرح العلامة الملاّ المسکین)

علامہ سید احمد طحطاوی "حاشیہ نور الایضاح" میں فرماتے ہیں:

"کذا تطلب المصافحة فھي سنةعقب الصلوات کلھا" (اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد سنّت ہے۔

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب العیدین، ص۵۳۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)۔

"حاشیہ درمختار" میں فرمایا:

"تستحب المصافحة بل ھي سنة عقب الصلوات کلھا و عند کل لقی، أبو السعود عن الشُّرُنْبُلالیة"
"مصافحہ مستحب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنّت ہے، ابوالسعود نے شرنبلالی سے نقل کیا"۔

(حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار، کتاب الصلاة، باب العیدین، ج۱، ص۳۵۳، المکتبة العربیة، کوئٹہ۔)

افسوس کہ دو عبارتیں جناب نے دیکھیں، اور اتنی عباراتِ کثیرہ جو جناب کے خلاف تھیں نظر سے رہ گئیں، خیر، مانا کہ اس میں اکثر کتب مطالعۂ سامیہ (مصافحہ) نماز کے بعد ہمارے نزدیک بدعت ہے اور صحیح تر یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ = اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غیر حاضری سے آیا ہے؛ اس لئے کہ وہ اپنے رب کے حضور دعا میں مصروف تھا۔ تو اسے سمجھو!) میں نہ آئی ہوں، آخر "درمختار" اور "ردالمحتار" تو پیشِ نظر تھیں

"درمختار" کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ مصافحۂ مذکورہ، بدعتِ حسنہ ہے۔ "ردالمحتار" میں رسالۂ علامہ شرنبلالی کا کلام اور علامہ شمس الدین حانوتی کا فتوی دیکھا ہی ہوگا، سب جانے دیجئے، یہ "فتاوٰی لکھنو" جو استناداً پیش فرمایا اسی میں یہیں یہ الفاظ موجود کہ "علماء اس باب میں مختلف ہیں، بعض بدعتِ مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعتِ مکروہہ، مسئلہ مصافحہ کا اختلافی ہونا پایا یا نہیں؟ بہت واضح راہ تھی کہ ترجیح (زیادہ صحیح قول ہے۔) تلاش فرمائی جاتی، جو قول مرجح (۴۷ا الف۔ انہوں نے یوں فرمایا کہ: جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو تصحیح اور فتوی میں اختلاف ہوگیا، اور عمل اسی پر اولیٰ (زیادہ بہتر) ہے جو اطلاقِ متون کے موافق ہو۔ بحر الرائق

(ماوجدنا هذه الالفاظ كما رأيت"، ردالمحتار، مقدمة، مطلب: إذا تعارض التصحيح، ج۱، ص ۱۷۱، دارالمعرفة، بيروت)

نکلتا اسی پر عمل کرنا تھا، اگر جناب کی نظر ترجیح تک نہ پہنچی تو فقیر سے سنئے، علامہ شہاب الدین خفاجی حنفی "نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض" میں فرماتے ہیں:

"هي بعد الصلاة بدعة عندنا، و الأصح أنها مباحة لما فيها من الإشارة إلى أنه كان قدم من غَيبة لأنه كان عند ربه يناجيه فافهم"۔(۱۷٤ ب۔ نسیم الریاض شرح الشفاء(ما وجدت فيه)

ملاحظہ فرمایئے کیسی صاف تصریح ہے کہ مصافحۂ مذکورہ کی اباحت ہی قول اصح (۱۷۴ج) ہے، پھر اگر بالفرض دوسری طرف بھی تصحیح پائی جاتی، تاہم یہی قول مرجح رہتا کہ خود بآ قرار ردالمحتار "مذہب اباحت ہی موافق اطلاق متون ہے" اور خود انھیں کی تصریح ہے کہ "اختلافِ فتوٰی کے وقت اُسی قول پر عمل اولٰی جو اطلاق متون کے موافق ہو۔"

حيث قال: "قد اختلف التصحيح والفتوى كما رأيت والعمل بما وافق إطلاق المتون أولى، بحر"(۱۷۴و)۔

"درمختار" میں ہے:

"على المعتمد؛ لأنه متى اختلف الترجيح رجح إطلاق المتون، بحر"

(یہ حکم) قابلِ اعتماد ہونے کی بنیاد پر ہے، اس لئے کہ اختلاف ترجیح کے وقت، اطلاقِ متون ہی کو ترجیح ہے۔ بحر الرائق (الدر المختار، ماوجدنا)

اور جب کہ ترجیح صرف اسی طرف ہے تو اب تو اس قول کا اختیار فقاہت سے بالکل برطرف ہے،

"درمختار" میں ہے:

"أما نحن فعلينا اتباع ما رجّحوه و صحّحوه"

ہم عام مقلدین (یعنی تقلید کرنے والوں) پر تو بس اُسی کی پیروی کرنا ہے جسے ان بزرگوں نے فوقیت دی ہو اور صحیح کہا ہو۔

(الدر المختار مع ردالمحتار، مقدمة، ج۱، ص ۱۸٤، دارالمعرفة، بيروت)

اسی میں ہے:

"ألحكم و الفُتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للإجماع"

جس قول پر کسی دوسرے قول کو فوقیت دی جا چکی ہو، اس پر حکم اور فتوٰی دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔

(الدرالمختارمع ردالمحتار، مقدمة، ج۱، ص۱۷۵، ۱۷۶ دارالمعرفة، بيروت)

الحمد للہ اب حق باحسنِ وجوہ (بہت زیادہ اچھی صورتوں کے ساتھ) واضح ہوگیا، امید کرتا ہوں کہ جناب بھی اب تو مصافحۂ مذکورہ و معانقۂ عید کے جواز و اباحت پر فتوٰی دیں گے، اور اپنے تلامذہ کو ان امور جائزہ کے طعن و انکار (تنقید کرنا اور نہ ماننا) سے باز رہنے کی ہدایت کریں گے، والله الهادي وولي لأيادي (اللہ ہدایت دینے والا اور بڑی قوتوں والا ہے۔)

ششم:

الحمد للہ کہ ضمنِ تقریر میں مسئلہ مصافحہ بعدِ صلوٰۃ بھی صاف ہوگیا، اور تعلیلاتِ ثلثہ کا علیل ہونا بھی منکشف (ظاہر ہوگیا) ہولیا، ثالث (تیسری (یعنی صحابۂ کرام نے یہ خاص مصافحہ کیا) پر کلام تو صراحۃً گزرا اور اول (پہلی دلیل (محل مصافحہ ابتدائے ملاقات ہے، نہ بعد صلوات) کا جواب عبارتِ "تکملہ شرح اربعین" و "نسیم الریاض" سے واضح ہوا کہ بعدِ ختمِ نماز ملنا بھی ابتدائے لقا ہے، ولہذا اس وقت سلام مشروع (شریعت کے مطابق، جائز) ہوا، تو مصافحہ کیوں نامشروع ہونے لگا، رہی تعلیلِ ثانی (دوسری وجہ (یہ مصافحہ سنتِ روافض ہے) اس کے جواب کا اشارہ کلامِ فقیر میں گزرا کہ مشابہت صرف ان تین صورتوں میں مذموم (قابلِ مذمت، بری) ہے ورنہ نہیں۔

تکمیل کلام :

اتنا اور سن لیجئے کہ کسی طائفہ باطلہ کی سنت (طریقہ) جبھی تک لائقِ احتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنت رہے، اور جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنّت ہونا ہی جاتا رہا، احتراز (بچنا، پرہیز کرنا) کیوں مطلوب ہوگا؟ مصافحہ بعدِ نماز اگر سنتِ روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں، نہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، نہ بعدِ نماز مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ شاید اول لقاء پر بھی مصافحہ ان کے یہاں نہ ہو کہ اِن اعدائے سُنن (سنّتوں کے دشمنوں) کو سُنن سے کچھ کام ہی نہ رہا، تو ایسی حالت میں وہ علت سرے سے مُرتَفِع (اٹھ جاتی ہے) ہے۔

"درمختار" میں ہے:

"یجعله لبطن کفّه في یده الیسریٰ ، وقیل: الیمنیٰ إلا أنه من شعار الروافض فیجب التحرز عنه ،قهستاني وغیره،قلت :و لعله کان و بان فتبصر" وہ (مرد)، اسے (یعنی انگوٹھی) کو اپنے بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کی طرف کرے اور کہا گیا کہ "دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، تو اس سے بچنا ضروری ہے" (قہستانی وغیرہ) میں نے کہا "یہ کسی زمانے میں رہا ہوگا پھر ختم ہوگیا، تو اس پر غور کرلو۔

(الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة،فصل فی اللبس ،ج۹،ص۵۹۶،دار المعرفة،بیروت)۔

"ردالمحتار" میں ہے:

"أي: کان ذلک من شعارهم في الزمن السابق ثم انفصل و انقطع في هذه الأزمان فلاینهٰی عنه کیفما کان" "یعنی: وہ گزشتہ زمانے میں ان کا طریقہ تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا، تو اب اس سے منع نہ کیا جائے گا، جیسے بھی ہو"۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة،فصل فی اللبس،ج۹،ص۵۹۶،دار المعرفة،بیروت)

اب تو بحمد اللہ سب شکوک کا ازالہ ہوگیا، **فاحفظ و احمد و کن من الشاکرین، و الحمد لِله رب العٰلمین**

"یعنی: وہ گزشتہ زمانے میں ان کا طریقہ تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا، تو اب اس سے منع نہ کیا جائے گا، جیسے بھی ہو۔

(ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة،فصل فی اللبس،ج۹،ص۵۹۶،دار المعرفة،بیروت)

هفتم:

سخت افسوس کا مقام ہے کہ عبارتِ مرقات کی نقل میں، بہت تقصیر (کوتاہی) واقع ہوئی "مرقاۃ شریف" میں اس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے:

"نعم ، لو دخل أحد في المسجد و الناس في الصلاۃ أو علی إرادۃ الشروع فیها فبعد الفراغ لو صافحهم لکن بشرط سبق السلام علی المصافحة فهذا من جملة المصافحة المسنونة بلا شبهة" (ہاں، اگر کوئی مسجد میں داخل ہوا اور لوگ نماز میں یا نماز شروع کرنے والے ہیں، تو فارغ ہونے کے بعد اگر ان سے مصافحہ کرے بشرطیکہ مصافحہ سے پہلے سلام بھی ہو تو بلا شبہ یہ، مصافحۂ مسنونہ ہی کے مجموعہ میں شامل ہوگا۔

(مرقاۃ شرح المشکاۃ، کتاب الآداب،باب المصافحة والمعانقة، ج۸،ص ۴۵۸،دارالفکر ،بیروت)

ان میں صاف تصریح تھی کہ وہ کراہت صرف اس صورت میں ہے کہ لوگ نماز سے پہلے مل لئے ، باتیں کرچکے، ملاقات ہوئی، اس وقت مصافحہ نہ ہوا، نہ کچھ اور، اب بعدِ سلام آپس میں مصافحہ کرنے لگے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ یہی وقت ابتدائے لقا کا ہو کہ یہ اس وقت آیا کہ نماز شروع ہوگئی تھی یا شروع کا ارادہ تھا، اب بعدِ سلام مصافحہ کرے تو یقیناً مصافحۂ مسنونہ ہے کہ خاص اول لقا پر واقع ہوا، ظاہر ہے کہ جماعاتِ عید میں اکثر لوگوں کی باہم یہی حالت ہوتی ہے کہ بعدِ سلام اُن کی لقا، اولِ لقا ہوتی ہے، تو "مرقاۃ" کے طور پر بھی انھیں معانقہ سے اصلاً ممانعت نہیں ہوسکتی ۔ پھر معانقۂ عید شرکائے جماعتِ واحدہ ہی سے خاص نہیں بلکہ تمام احباب جنھوں نے مختلف مساجد میں نمازیں پڑھیں اُس دن بلکہ دوسرے دن تک اولِ ملاقات بعد الصلوٰۃ پر باہم معانقہ کرتے ہیں، یہ معانقے تو یقیناً ابتدائے لقا پر ہوتے ہیں، جو عبارت "مرقات" سے بر سبیلِ قیاسِ جناب (یعنی آپ کے قیاس کے ذریعے) اور عبارتِ "فتاویٰ لکھنؤ" سے صراحۃً ٹھیک موقع پر درست و بجا واقع ہیں، حالانکہ مانعین زمانہ کا منع، مصافحہ بعدِ نماز اور معانقۂ عید، دونوں میں سب صورتوں کو عام و مطلق، اور وہ آپ ہی کی عباراتِ مستندہ کی رُو سے باطل و ناحق، پس اگر انھیں عبارتوں پر عمل فرمایئے تو تصریح فرما دیجئے کہ نمازِ عید سے پہلے جو لوگ مل لیتے ہیں صرف وہ بعدِ نماز معانقہ نہ کریں، اور جو ہنوز (ابھی تک) نہیں ملے، انھیں معانقہ بلا کراہت جائز و مباح ہے

، یوں ہی ایک دوسرے کے پاس جو ملنے جاتے یا راہ میں ملتے ہیں وہ بھی بلا تامّل معانقہ کریں، خواہ پیش از نماز یا بعد از نماز مل لئے ہوں یا نہ ملے ہوں کہ اس وقت تو ابتدائے لقا ہے۔ ان سب صورتوں کا جواز آپ ہی کی مستندات سے ثابت ہے، لاجرم (لازماً، ضروری طور پر) آپ کو اس کی تصریح کرنا ہوگی، اس کے بعد دیکھئے کہ حضرات مانعین آپ کو کیا کہتے ہیں، **واللہ المستعان علی جہالاتِ الزمان** (اور اللہ ہی ہے جس سے زمانے کی جہالتوں کے خلاف مدد طلبی ہے۔

ھشتم :

اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ ان لفظوں کے متصل ملا ہونا (ساتھ) ہی "مرقات" اور تحقیقِ جلیل و نافع، خیالاتِ مانعین پر سیفِ قاطع (کاٹنے والی تلوار) تھی، وہ بھی نقل میں نہ آئی، فرماتے ہیں:

"و مع ھذا إذا مَدّ مسلم یدہ للمصافحۃ فلا ینبغي الأعراض عنہ بجذب الید لما یترتب علی من أذًی یزید علی مُراعاۃ الأدب فحاصلہ أن الابتداء بالمصافحۃ حینئذ علی الوجہ المشروع مکروہ لا المجاذبۃ وإن کان قد یقال فیہ نوعُ معاونۃ علی البدعۃ" (اور مزید برآں یہ کہ اس صورت خاصّہ میں کہ ملاقات، نماز سے قبل کرلیں اور مصافحۂ سلام بعدِ نماز کریں تو کراہت مانی جاتی ہے، پھر بھی اگر کوئی مسلمان، مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ نہ کھینچنا چاہئے (بلکہ مصافحہ کرلیا جائے) اگر چہ اسے، بدعت پر مدد کہا جائے کہ اس حالت میں مصافحہ نہ کرنا صرف ایک ادب کی حد تک بہتر تھا اور اب اس کے چھوڑنے میں مسلمان کو تکلیف پہنچانا ہے کہ وہ تو ہاتھ بڑھائے اور ہم ہاتھ کھینچ لیں، مسلمان کی خاطر داری اس ادب کے تقاضوں پر فوقیت رکھتی ہے (لہٰذا اس صورت میں کراہت نہیں بلکہ مصافحہ کرنا ہی چاہئے)

(مرقاۃ شرح المشکاۃ، کتاب الآداب، باب المصافحۃ والمعانقۃ، ج۸، ص۴۵۸، ۴۵۹، دارالفکر، بیروت) .واللہ تعالی اعلم .

لِلّٰہ انصاف! اس منصفانہ کلام کو مانعینِ زمانہ کے خیالات سے کتنا بُعد (فاصلہ) ہے، یہ حضرات تو خواہی نخواہی (زبردستی) اپنی (بزرگی) مشیخت بنانے اور اپنی شہرت پیدا کرنے کے لئے جماعاتِ مسلمین کی مخالفت کو ذریعۂ فخر اور علامتِ تشرُّع (شریعت کی پابندی کی انتہا) سمجھے ہوئے ہیں، مگر عادتوں) میں موافقت ہی کر کے اُن کا دل خوش کیا چاہئے، اگر چہ وہ فعل بدعت ہو۔ "عین العلم" میں ارشاد ہوا۔

"الإسرار بالمساعدۃ فیما لم ینہ وصار معتادا في عصرھم حسن وإن کان بدعۃ"

اُن (کاموں) میں (لوگوں کی) موافقت کر کے انہیں خوش کرنا اچھا ہے، جن سے شریعت میں ممانعت نہیں اور اُن (لوگوں) کے عہد میں وہ رائج ہو چکے ہیں خواہ بدعت (نئے پیدا شدہ) ہی ہوں (عین العلم)۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی "اِحیاء العلوم شریف" میں فرماتے ہیں:

"الموافقۃ في ھذہ الأمور من حسن الصحبۃ و العشرۃ إذا المخالفۃ موحشۃ و لکل قوم رسم لابد من مخالقۃ الناس بأخلاقھم کما ورد في الخبر لاسیما إذا کانت أخلاقا فیھا حسن العشرۃ والمجاملۃ وتطییب القلب بالمساعدۃو قول القائل: إن ذلک بدعۃ لم یکن فی الصحابۃ فلیس کل ما یحکم بإباحتہ منقولاًعن الصحابۃ رضي اللہ تعالی عنھم وإنما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ ماموراً بھا ولم ینقل النھي عن شيء من ھذا (إلی قولہ) وکذلک سائر إ نواع المساعدات إذا قُصِد بھا تطییب القلب و اصطلح علیھا جماعۃ فلا بأس بمساعدتھم علیھا بل الأحسن المساعدۃ إلا فیما ورد فیہ نھي لا یقبل التاویل" (ان امور میں لوگوں کی موافقت کرنا حسنِ صُحبت اور معاشرت سے ہے، اس لئے کہ مخالفت، وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی کچھ رسمیں ہوتی ہیں کہ ان میں ان کا ساتھ دینا ضروری= ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں اس کا حکم آیا، خصوصاً وہ عادتیں جن میں حسن معاشرت، آپس میں اچھا برتاؤ اور موافقت کر کے دل خوش کرنا ہو، اور کہنے والے کا کہنا کہ یہ بدعت ہے، صحابہ کے زمانے میں نہ تھا تو کیا جو کچھ جائز کہا جائے، سب صحابہ سے ہی منقول ہوتا ہے؟ بُری تو وہ بدعت ہے جو کسی ایسی سُنّت، جس کا حکم دیا

گیا ہے کو، رَد کرے اور اس کام سے شریعت میں کہیں ممانعت نہ آئی، اس طرح تمام یاری، دوستی کی باتیں جبکہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو، اور ایک گروہ کی رسم ہوگئی تو ان کی موافقت کرنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ موافقت ہی بہتر ہے مگر اس صورت میں کہ واضح طور پر اس طرح منع کیا گیا ہو کہ اس میں شرعی حیلہ کی گنجائش نہ ہو

(إحياء العلوم الدين، كتاب آداب السماع والوجد، المقام الثالث من السماع، الأدب الخامس، ج ٢، ص ٣٧٥، ٣٧٦، دار الفكر، بيروت۔)

دیکھئے اطبائے قلوب (دل کے طبیبوں)

رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ارشاد یہ ہیں، اللہ عزّ وجلّ جسے نیک توفیق دے وہی ان نفیس الٰہی ہدایتوں پر عمل کرے۔

حضرات مانعین ان سے منزلوں دور ہیں **ولا حول ولا قوة الا باالله العلي العظيم.**

بالجملہ اگر آپ کو "مرقات" پر عمل ہے تو صاف تصریح فرمادیجئے کہ بعد عید جو شخص معانقے کو ہاتھ بڑھائے اس سے انکار ہرگز نہ کیا جائے بلکہ فوراً معانقہ کرلیں، افسوس کہ "مرقاۃ" سے سند لانا تو بالکل الٹا پڑا، مجھے جناب کی بزرگی سے امید ہے کہ شاید "مرقاۃ شریف" خود ملاحظہ نہ فرمائی ہو بلکہ مانعینِ زمانہ، عبارات میں قطع وبرید سرقہ (کاٹ، چھانٹ اور چوری) کے عادی ہیں، کسی سارق (چور) نے آدھی عبارت کہیں نقل کردی ہے، آپ نے اسی کے اعتماد پر استناد (دلیل میں پیش) کرلیا، اب کہ پوری عبارت پر مطلع ہوئے، ضرور حق کی طرف رجوع فرمائیے گا۔ والله الموفق۔

نہم: بحمد اللہ تعالٰی ہماری تحقیقاتِ رائقہ (نہایت باریک بینی سے کی جانے والی تحقیقات) سے آفتابِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ معانقۂ عید کو بدعتِ مذمومہ (بُری بدعت) سے کچھ علاقہ نہیں، بلکہ وہ سنّت ومباح کے اندر دائر ہے، یعنی **مِن حيث الاصل** (۲۱۸الف۔ اپنی حقیقت کے اعتبار سے) سنّت اور من حيث الخصوص مباح (۲۱۸ب۔ خصوصیّت کے اعتبار سے، جائز)

، اور بقصدِ حُسن محمود و مُستحسن (اچھی نیّت کے ساتھ، قابلِ تعریف اور پسندیدہ ہے۔)، تو ظاہر ہوا کہ عبارتِ "ردالمحتار":

"إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة" (جب حکم کسی سنّت اور بدعت کے درمیان مشکوک ہوجائے تو سنّت کے چھوڑنے کو، بدعت کے کرنے پر فوقیت حاصل ہے۔

(ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم ألخ، ج ٢، ص ٤٩٣، دار الفكر، بيروت) الخ

کو اس مسئلہ سے اصلاً تعلق نہیں کہ وہاں بدعت سے مراد بدعتِ مذمومہ ہے، جب تو اس سے بچنے کے لیے سنّت کو چھوڑ نا تک گوارا کیا ورنہ بدعتِ مباحہ سے بچنا خود ہی مطلوب نہیں، نہ کہ اس کے لیے سنّت چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے، **وهذا ظاهر على كل من له حظ من عقل صفي** (یہ ہر اُس شخص پر واضح ہے جسے پسندیدہ اور خالص عقل سے کچھ حصّہ ملا ہے۔

دھم:

فتوٰی فقیر میں میاں اسمٰعیل دہلوی کی بھی عبارت تھی، جس میں معانقۂ عید کے مستحسن ہونے کی صاف تصریح ہے، اس سے جناب نے کچھ تعرّض (طلب) نہ فرمایا بلکہ "مجموعۂ فتاوٰی" وعباراتِ "ردالمحتار" و "مرقاۃ" پیش فرمائیں۔ اس میں دو احتمال (گمان، باتیں) ہیں:

ایک وہ، طائفہ مانعین جس کے خوگر (عادی) ہیں یعنی ہفواتِ باطلہ وخرافاتِ عاطلہ (غلط، بیہودہ اور فضول، بے کار باتوں) میں دہلوی مذکور کو امام اکبر مانتے ہیں اور جو باتیں وہ، بعلّتِ مناقضت (بطورِ اعتراض) جس کا اس کے یہاں حد سے زائد جوش و خروش ہے، اصول وفروعِ طائفہ کے خلاف لکھتا ہے، دیوار سے مارتے ہیں۔

دوم یہ کہ جناب کو اس سے کچھ کام نہیں جو کلام اس کا تصریحاتِ امثال "مرقات" و "ردالمحتار" کہ مولوی صاحب لکھنوی کے خلاف ہو، قابلِ قبول نہیں ، اگر شقِ اخیر، مختار (اگر آخری صورت اختیار کی گئی) ہے اور جناب کی انصاف پسندی سے یہی مامول (امید کی جائے)، تو صراحۃً

تو صراحۃً اس کی تصریح فرمادیجئے کہ جو مسائل "تقویۃ الایمان" و "صراطِ مستقیم" و "ایضاح الحق" وغیرہا تصانیفِ شخصِ مذکور، مولانا علی قاری وعلّامہ شامی، یہاں تک کہ مولوی صاحب لکھنوی اور ان کے امثال کی تصریحات سے رد ہوتے ہیں، ان کا بطلان تسلیم فرماتے جائیے، امید کرتا ہوں کہ بہت مسائلِ نزاعیہ (لڑائی جھگڑے کی نوبت تک پہنچا دینے والے مسائل

جن میں جہلائے مانعین کو بے حد شور وشغب (شور وغل) ہے یوں باحسنِ وجوہ انفصال (بہت اچھے طریقے سے، باہم جدائی) پائیں گے، اور ہم آپ **بتوفیقہٖ تعالٰی** شخصِ مذکور کی ضلالتِ عقائد وبطالتِ مکائد (عقائد کی گمراہی اور مکروفریب کی دلیری) پر متفق ہوکر حق ناصح (نصیحت

کرنے والے کی سچائی) کے اعلان میں باہم ممدّ ومعاون یک دیگر (ایک دوسرے کے) ہو جائیں گے۔

درودوسلام :

وبـالـلّٰه التوفيق و الوصول إلى سواء الطريق، و اخر دعوٰنا أن الحمد لِلّٰه رب العٰلمين ،و الصلاة والسلام على سيد المرسلين محمد و اله وصحبه أجمعين ، امين! (اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق اور سیدھی راہ تک رسائی ہے اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ سب خوبیاں اللہ کو، جو مالک سارے جہانوں کا اور درود وسلام ہو رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب، سب پر، قبول فرما!)۔

كتبه عبده المذنب احمد رضا البريلوى

عفى عنه بمحمدن المصطفى النبي الأمي صلى الله تعالٰى عليه وسلم.